

طلب میری جویان ہر تیرے کرم کی  
 شفا کیا ہو بھگو کہ اب فکرِ درمان  
 پس جانہ دل اب تک اُس سنگدل کا  
 نہیں بے سبب مضطرب آہ میری  
 یہ خود گم ہوئے ہم رہے جستجو میں  
 کئی بار آئی گئی صبحِ محشر  
 مجھے در بدر کیوں پھرتی ہر دشت  
 یہ کہتی ہے شوقِ تماشا سے حیرت  
 سیحِ زمان بھی ہو کوئی تو کیا ہے  
 تصویر میں انکے ہے بند آنکھ میری  
 بگولوں میں چھپتا ہوں دشت کو دیکھو  
 نہ معلوم لیلیٰ پر کیا شب میں گزری  
 وہ ملتا ہے خود بے طلب دم کے دم میں  
 اڑا لگی خود تڑپ تیری بلبل  
 دعا کرتے کرتے ہوں لب خشک تو کیا  
 وطن کا پتہ بھی نہیں اور عبرت  
 خزان میں پڑی اوس پھولونہ ایسی  
 ہوس کو مبارک رہے دیر و کبہ  
 وہ ہر ہنسی اپنے ہی دل کے اندر  
 یہ یکس رسیق سفر ڈھونڈتی ہے  
 علاجِ دل چسارہ گرد ڈھونڈتی ہے  
 دعا عرش پر کیسا اثر ڈھونڈتی ہے  
 یہ بے گھر ترے دل میں گھر ڈھونڈتی ہے  
 ہمیں کو ہماری خبر ڈھونڈتی ہے  
 شبِ ہجر اب تک سحر ڈھونڈتی ہے  
 اسی گھر کو ڈھونڈے اگر ڈھونڈتی ہے  
 نظریں ہے جسکو نظر ڈھونڈتی ہے  
 محبت تو درجہ جگر ڈھونڈتی ہے  
 نہیں ڈھونڈتی ہے مگر ڈھونڈتی ہے  
 یہ کینجٹ غربت میں گھر ڈھونڈتی ہے  
 جو مجنون کو بادِ سحر ڈھونڈتی ہے  
 خدائی جسے عمر بھر ڈھونڈتی ہے  
 نفس میں کہاں بال و پر ڈھونڈتی ہے  
 نگاہِ کرم چشمِ تر ڈھونڈتی ہے  
 خطوں کو لیے نامہ برد ڈھونڈتی ہے  
 کہ شبنم کی چادر سحر ڈھونڈتی ہے  
 محبت تری رہگذر ڈھونڈتی ہے  
 تنہا جسے در بدر ڈھونڈتی ہے

جلد اول ماہ جمادی الاخرہ ۱۳۳۵ھ مطابق اپریل ۱۹۱۷ء عدد دوم

## مضامین

### ۱۔ شذرات

۶-۲

### ۲۔ نظام اور اسکا فلسفہ

۲۰-۷

### ۳۔ تصورات کلیہ

۲۹-۲۱

### ۴۔ مؤسسات تمدن

۳۵-۳۰

### ۵۔ محدثین کا اخلاق

۴۰-۳۶

### ۶۔ حضرت خدیجہؓ

۴۳-۴۱

### ۷۔ دیوانِ حسرت

۴۸-۴۴

### ۸۔ نامہ حالی

۴۹

### ۹۔ ادبیات

۵۳-۵۰

### ۱۰۔ مطبوعات جدیدہ

۵۶-۵۴

رموزِ فطرت، علوم جدیدہ کی متعدد مفید شاخوں پر ابتدائی مسائل کا مجموعہ، عبارتِ سلیس  
 ملاحظات عام فہم، عربی خوان اور نیز اردو دان اصحاب کے لیے معلومات کا سرمایہ، قیمت چھ  
 علم الانسان، انسانی ساخت، اور انسان کے اعضاء کے منافع و فوائد کے بیان میں  
 ایک عمدہ رسالہ۔ قیمت ۸۔  
 فیروز دارالصفین۔ عظم گڑھ



# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## شذرات

دفتر دار المصنفین ۸ فروری ۱۹۷۷ء کو بند ہو کر آج ۲۷ اپریل ۱۹۷۷ء کو کھلا، اب شہر و باب کے اثر سے بچھڑا اللہ پاک ہی، دار المصنفین کے تمام منتشر اجزاء مجتمع ہو رہے ہیں، دوپریس میں صرف ایک ۲۸ سے بشکل چل سکا، اسی بنا پر اپریل کا سالہ دیر سے شائع ہوتا ہے، توقع ہے کہ آئندہ رسالہ وقت پر نکلے،

~~~~~

آخر خدا کی مرضی پوری ہوئی، دو ماہہ شدید علالت کے بعد، میری رفیقہ زندگی نے ۲۴ سال کی عمر میں اس عالم کو الوداع کہا، اُستاد محرم کی وفات کے بعد یہ دوسرا سانحہ ہے جس نے میرے سکون خاطر کو درہم کر دیا، اپنے یکسالہ صغیر اس بچہ کو چھوڑ کر بڑی بکری میں جان دی، یہ ۱۲ اپریل ۱۹۷۷ء کا واقعہ ہے لیکن اب تک حواس برجا نہیں ہوئے، میری حیات منزلی کی اس بربادی کے غم میں جن احباب نے تعزیت ناموں کے ذریعہ سے شرکت کی ہے، اُن کا ممنون ہوں، لیکن بہتر ہوتا کہ میرے بجائے اُدھانے خیر سے اُس مرحومہ کو یاد کرتے کہ اب میری قلبی تسلی اُسی کی روحانی تسلی میں ہے، خدا اُس پیکرِ عفت کو جوار رحمت میں جگہ دے،

~~~~~

مرحومہ نے تیرہ سال تک میری زندگی کی رفاقت کی، دس برس سے صحت خراب تھی اور

بھی کامل صحت اُسکے تن زار کو میسر نہ آئی، علاج کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہوا، پچھلے دس برس میں اس انتشارِ حال اور پراگندگی خاطر کے باوجود مجھے جو کچھ قوم و ملت کی خدمت میں انجام پائی ہیں وہ بجائے غریب انگیز ہیں کہ اس طویل عرصہ میں کبھی میرے دل و دماغ نے فراغ خاطر نہ پایا،

~~~~~

میں مرحومہ کی زندگی میں غالب مغفور کا یہ شعر پڑھا کرتا تھا،  
میں بھی تھیں بتاؤں کہ ممنون نے کیا کیا فرصت کشاکشِ غم نہان سے گرے  
اُس پیکرِ وفا نے اپنی جان دیکر مجھے، علم و ملت کی خدمت گزاری کے لیے کشاکشِ غم نہان سے فرصت عطا کی، لیکن ایک ایسا کاٹا دل میں چھب کر رہ گیا جو شاید عمر بھر نہ نکلے،

عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا عمر کو بھی تو نہیں ہی پائیداری، اُلے اُلے  
تیرے دل میں گرنے تھا آشوبِ غم کا حوصلہ تو نے پھر کیوں کی تھی میری نگہ ساری اُلے اُلے  
گوشِ محرومِ پیام و چشمِ محرومِ جمال ایک دل، تپسیہ نامید داری اُلے اُلے

~~~~~

مولانا سید کریمت حسین غفر اللہ لہ کی ناگہانی موت، گو عام دنیا کے علم کے لیے کچھ کم باعثِ حشر نہیں ہے، لیکن ہمارے لیے اُس سے زیادہ غم افزا ہے، مرحوم ہماری مجلس کے نائب صدر تھے، اور ہمیشہ اپنے قیمتی مشوروں سے انھوں نے ہماری اعانت کی ہے، مرحوم "المرآة" نام ایک ضخیم کتاب، عورتوں کے حقوق و خصائص پر تصنیف فرما رہے تھے، اُنکی سادگی، اخلاص کا رشتہ دار و خالص علمی خدمات ہمیشہ یادگار ہیں،

~~~~~

حضرت خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی میر اثر دہلوی، اپنے زمانہ کے مشہور شاعر تھے، تصوف کو بے تکلّف، سہل و روان اُردو غزلوں میں ادا کرنا، انھیں دونوں بھائیوں پر ختم تھا، اُن کی شہنوی



خواب و خیال اردو زبان کا ایک انمول سرمایہ ہے، سال تصنیف ۱۳۵۲ھ ہجری قمریہ ثنوی کیاب ہے شمس العلماء محمد حسین آزاد، آبجیات میں ایک دو فقرہ سے زیادہ اسپر نہ لکھ سکے، شاید یہ ثنوی انھیں ہاتھ نہ آئی، مولانا حالی بھی مقدمہ دیوان میں اپنا نہ کھینا ظاہر کرتے ہیں، ہم اپنے دوست مولوی بشیر الحق صاحب سب انسپکٹریوں برسائے ممنون ہیں کہ انکی وساطت سے یہ ثنوی، مستعار ہیں ہاں سبکی امید ہے کہ کسی آئندہ اشاعت میں ہم اس ثنوی کے مطالعہ کی مسرتوں میں اپنے دوستوں کی شریک ہو سکیں

ناموران اسلام کا جو سلسلہ مولانا مرحوم نے شروع کیا تھا، الفاروق، اور المامون کے سوا اس سلسلہ میں کوئی اور کتاب شائع نہ ہو سکی مولانا نے تمام اسلامی فرمانروا خاندانوں کو پیش نظر رکھ کر ہر خاندان کا ایک ہیرو قرار دیا تھا، اور وہ نقشہ المامون کے دیباچہ میں شائع بھی فرمایا ہے، سیر الصحابہ کی تصنیف سے اب بعض رفقاء دار المصنفین کو سبکدوشی ہوئی ہے، اسلئے وہ پُرنا خواب پر یاد آنا شروع ہو گیا، اور اس سلسلہ کی تکمیل ضروری خیال کی گئی ہے، احباب بھی اسکی تکمیل کے لئے ضرور بین بالفعل خاندان اموی کے ہیرو کی تاریخ منتخب کی گئی ہے، مولانا نے سلیمان بن عبد الملک کو اس خاندان کا ہیرو قرار دیا ہے غالباً یہ انتخاب فتوحات کی وسعت کی بنا پر تھا، ورنہ مخصوص حقیقتوں کی بنا پر یہ فخر حضرت عمر بن عبد العزیز کو حاصل ہونا چاہیے تھا، اسی بنا پر سلسلہ ناموران اسلام کے اموی عہد کے لیے دار المصنفین نے اسی نامور کی زندگی پر قلم انتخاب ڈالا ہے

معارف کی سائنس اور قدر شناسی سے، جن اخبارات، رسائل، اور ذاتی احباب و اعزہ نے ہماری حوصلہ افزائی کی ہے ان میں سے زیادہ سزاوار منونیت، مولانا حبیب الرحمان خان شروانی صدر اجلاس شانزدہم ندوۃ العلماء مدراس کا وہ فقرہ جو مولانا مرحوم نے خطبہ صدارت

میں ارشاد فرمایا کہ "معارف کا وجود ندوۃ العلماء کی کامیابی پر ایک برہان قاطع ہے، طاؤس راز نقش و نگار سے کہ بہت خلقت تحسین کنند و اجل از پائے رشت خویش

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے نام سے، جرمن، فرینچ، اور انگریزی زبان میں جو انسائیکلو پیڈیا لکھی جا رہی تھی افسوس کہ تین جلدوں کے بعد اسکی تصنیف موقوف ہو گئی، بیان ہے کہ کثرت مصارف کے باعث یہ خیال متروک ہوا، لیکن عجب نہیں کہ موجودہ جنگ کے قانون بین الاقوامی کی شکست نے اس سلسلہ علمی کو دہم کر دیا، گو یہ سلسلہ کچھ زیادہ کاوش اور تحقیق سے نہیں لکھا جا رہا تھا تاہم آئندہ کام کو انکی ایک شاہرہ رت تیار ہو رہی تھی

خواجہ حسن نظامی صاحب کے محرم نامہ پر جو تنقید میں نے الناظر لکھو کے (جنوری ۱۳۵۲ء) میں لکھی تھی اطراف ملک سے جو خطوط آئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تنقید کے لکھنے کی شدید ضرورت تھی اس کتاب کو پڑھ کر بعض قلوب میں صحابہ کرام کی نسبت جو سو رطن کچھ شبہات پیدا ہو گئے تھے وہ دفعۃً کافور ہو گئے، بعض احباب لاعلمی کی بنا پر اسکی طرف متوجہ کرتے ہیں اور ہر تنقید کی فرائش کرتے ہیں، ان کو چاہیے کہ رسالہ مذکور کی ایک کاپی منگوالیں،

مسلمانوں کی جدید ترقی اچھی زمانہ طفولیت میں ہے، اسی لیے سلمان رہبروں اور لیڈروں کی حالت اچھی تک بالکل بچوں سی ہے، کبھی ایک چیز کی طرف دوڑتے ہیں اُسکے لینے کو ضد کرتے ہیں روتے ہیں، چلاتے ہیں، مشور کرتے ہیں، پھلتے ہیں کہ دفعۃً ایک اور چیز سامنے آجاتی ہے اُسکے لینے کو چھپتے ہیں، لمباتی ہے تو خوش ہوتے ہیں، اچھلتے ہیں، کودتے ہیں، اور یہ مطلق تصور نہیں ہوگا کہ



پہلے ہمارا ہاتھ ایک قیمتی متاع کی طرف بڑھا تھا اور اب دیکھو صرف ایک چینی کی گڑبالی ہے زیادہ  
 نہیں صرف مسلم یونیورسٹی کی تاریخِ ادل سے آخر تک پڑھ جاؤ تو نظر آجائے گا کہ عظیم الشان مجلسِ جلالہ  
 کا تمام تر کارنامہ بازیچہٴ اطفال سے زیادہ وسیع نہیں ہے، اپریل ۱۹۷۱ء کا فیصلہ اگر درست ہے تو بیکاریت  
 اعلیٰ میں چار برس کی عمر عزیز کیون ضائع کی، احرار کی بے معنی جماعت ہندوؤں کی تقلید کے پرزور  
 دلیل کی رہنمائی میں جس مقام پر آکر ٹھہری ہے وہ ایک قدیم شاعر کے سوا دیکھنے سے زیادہ تسلی بخش نہیں  
 داحسرتا کہ پہنچا جون ہی تا سوا دیکھ  
 بولایہ ساربانِ سیہ دل پکار کے  
 اونا مرادنا قہ لیسے، نہیں ہے یہ  
 آتا ہے کس امید پہ پیچھے غبار کے

## مقالات

### نظام اور اسکا فلسفہ

داستانِ ہنگل رازِ نظیری بشنید بلبلاں آشفٹہ تر گفتند این فساد

فلسفہ کس نام ہے؟ اور اسکی حقیقت کیا ہے؟ ہماری عربی خوان جماعت بے تامل کہہ گی کہ ان  
 بعض مباحث کا جو ہیولی اور صورت سے لیکر نفس تک کے مسائل پر محتوی ہیں، اور جو بلا تخریف  
 نفس و زیادہ، ابوعلی سینا کے عہد سے فاضل خیر آبادی کے زمانہ تک ایک ہی عبارت ایک ہی  
 روایک ہی نسخ سے بار بار دہراے جا رہے ہیں، شیخ شہاب الدین کی حکمت الاشراق ہونی تو  
 بدیشائیہ اور اشرافیہ کی دو علیحدہ جماعتیں جو ہر کو معلوم ہیں وہ بھی معلوم نہوسکتیں، علامہ ابن تیمیہ نے  
 ان کا اپنی تصنیفات میں اس عالمگیر حوالہ پر ماقم کیا ہے،

فلاسفہ یونان، قدیم حکماء اسلام اور موجودہ علماء فرنگ کے نزدیک فلسفہ کی اس سے بالکل  
 نفرت جہاں ہے، کائنات کے چہرہ پر حیرت اور سرگردانی کی جو سیاہ نقاب پڑی ہے، گستاخ ہاتھ اسکو  
 ہستی کھینچ کر الٹ دینا چاہتے ہیں، لیکن نازنین فطرت اپنی نقاب کے بندوگرہ اس مضبوطی سے تھامے  
 ہوئے ہیں کہ وہ انہیں سوا، لیکن کہیں کہیں سے پیراہن حجاب کے تار نکل نکل گئے ہیں، ان روزوں سے  
 ان گہون نے جو کچھ دیکھا وہ انکا فلسفہ ہے،

ہر صاحب فکر اپنے فہم و دانش کے مطابق، کائنات کے اسرار کی تحلیل اور اسکو ایک خاص  
 نام میں ترتیب دینے میں اپنے خیالات جن منتظم اور منب صورت میں پیش کرتا ہے، اور جن سے  
 عالم کو نہیں، جماعت کثیر کو نہیں، تو کم از کم اس کے قلب میں تسکین پیدا ہوتی ہے، یہی اسکا فلسفہ ہے  
 یونان میں فلسفہ کے بیسیوں اسکول تھے، سبکل یورپ میں ہر فلاسفہ کا ایک مستقل نظام فلسفہ

۴-۸-۹- اپریل ۱۹۷۱ء کو ندوۃ العلماء کا اجلاس، شہر مدراس میں بخیر و خوبی انجام کو پہنچا،  
 لیکن افسوس ہے کہ اس خوشی و مسرت کے اجتماع میں ہماری جماعت کا کوئی ممبر شریک نہوسکا بزرگان  
 مدراس کے اصرار اور پیہم تار اور خطوط کے باوجود بھی نہ خاکسار جاسکا، اور نہ مولانا مسعود علی ندوی، اور  
 نہ مولانا عبد السلام ندوی جاسکے اتفاقات اور عواقب کچھ ایسے پیش آئے کہ ہر شخص جہاں تھا وہیں  
 پاگل ہو کر رہ گیا، بزرگان مدراس سے امید ہے کہ وہ ہماری مجبوریوں کو ناقابل التفات  
 نہ سمجھیں گے، جناب مولانا عبد الباق صاحب رئیس مدراس کی دشمنی کا ہمیں خاص طور سے  
 رنج ہے لیکن کیا کیا جائے کہ ع ان الامور یا فکد اریھا،

انقلابِ الائم، جسکا پھلے پرچہ میں ناظرین سے تعارف کرایا گیا تھا، وہ چھپکر اب تیار  
 شائقین درخواتین بھیج سکتے ہیں، قیمت ہر طبع و کاغذ اعلیٰ،



بعد از مرگ جب زندہ تھا، اسکے آغوش تربیت میں ایسے سیکڑوں ارباب کمال پکڑ جانے لگے جنکے بازوؤں میں زور اور عقل و دماغ میں جوش تھا، وہ بچے نہ بیٹھے اور دوسروں کے سہارے چلنا پسند کیا، ہر تیغ زن نے اپنی قوت کو آپ آزمایا، اور یونان کی غلامی سے اپنے کو آزاد کیا، ان میں سے ہر ایک کا جدا گانہ فلسفہ تھا، اور تعلیمات میں انکا ایک جدا گانہ مسلک تھا،

ملل و خل اور فرق اسلامیہ کی تاریخ میں ایسے سیکڑوں بزرگوں کے نام ملتے ہیں جنکے فلسفہ الگ الگ فرقے پیدا ہوئے، ان میں ہر ایک فرقہ کو زندگی کا جتنا حصہ ملا تھا، اسکو ختم کر کے کچھ نوعمری میں کچھ شباب کو بچھڑا کر، اور کچھ عہد پیری گذار کر خست ہو گئے،

غلطی یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے مخترعات اور نظام فلسفہ کا مخاطب پہنچ تان کر مذہب دنیا گیا، اسلئے وہ مختلف فرقوں میں ایمان و کفر کے معیار قرار پائے، حالانکہ اب کوئی دیکھے تو انکو مذہب ایک ذرہ بھی تعلق نہیں، اس سے زیادہ شدید دردناک واقعہ یہ ہے کہ قدما کی تصنیفات خصوصاً باہمی تعصب یا ہماری بد مذاقی کی نذر ہو گئیں، اب جو کچھ حسبہ نسبتہ انکے اقوال ملتے ہیں تو انکے مخالفین کی کتابوں میں، جنہوں نے رد و اعتراض کے لئے اپنی تصنیفات میں انکا ذکر کیا، اسلئے ان مسائل کی حیثیت ان کتابوں میں وہی ہے جو کسی مسلمان عالم کے دعویٰ کی کسی عیسائی مصنف کی تصنیف میں ہو سکتی ہے، کہیں ان مسائل کی تصنیف کیلئے قصداً انکو مذہب و عبارات میں اد کیا ہے، کہیں انکے لازمی نتائج کو لیکر بد نما اور مضحکہ انگیز صورت میں انکو پیش کیا، کہیں مجبور و دعویٰ انکے اصلی دلائل کے بغیر اوہر اوہر دج کر دیا ہے، کہیں اسکے اصل مسئلہ کی غلط تعبیر کی گئی، ظاہر ہے کہ اگر صحیح سے صحیح اصول کے ساتھ یہی برتاؤ کیا جائے تو وہ بھی حماقت اور مضحکہ کے سوا کچھ اور نہ بھجائیگا، انہیں بد قسمت مصنفوں میں سے ایک ابراہیم بن سیر بھی ہے جو اپنے نام سے زیادہ اپنے لقب نظام سے مشہور ہے، اور سلاگ معتزلی کہلاتا ہے، اس کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا اخیر

تیسری صدی کا اوائل ہے، علم کلام نے جن ارباب کمال کے آغوش میں تربیت پائی ہے، انہیں نظام کا نام سب سے روشن ہے، خلیفہ مہدی کے عہد میں، یحییٰ بن خالد برکی وزیر خلافت نے علم کلام کی مجلس قائم کی تھی، اسکے ۱۳ ممبروں میں سے ایک نظام بھی تھا،

نظام، ابوالاندیل المتوفی ۲۳۵ھ کا جو علم کلام کا سب سے پہلا مصنف ہے، شاگرد تھا اس نے اس روایت علمی کو جو اسکو اپنے استاد سے حاصل ہوئی تھی ضائع نہیں کیا، بلکہ اپنے شاگردوں میں سے ایک ایسے شخص کو سپرد کیا، جسکو دنیا جا حفظ کے نام سے جانتی ہے، جاحظ ساجد ان با کمال تمارت نظام کا تربیت یافتہ تھا، مامون الرشید کا فضل و کمال بھی اسی نظام کا رہن منت ہے، نظام خلیفہ مامون کا استاد بھی تھا، اور ندیم خاص بھی،

مامون کے عہد میں یونان کے تراجم بعد از اسکے علمی حلقوں میں پھیل چکے تھے، ارسطو کی اکثر تصنیفات یونانی زبان میں ترجمہ ہو چکی تھیں، اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فرقہ معتزلہ اور اسکا علم کلام، یونانی تراجم کے مطابق عمل تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فرقہ اس عہد سے چالیس پچاس برس پہلے پیدا ہو چکا تھا، لیکن بے شبہہ صحیح ہے کہ ان تراجم نے انکے اصول و خیالات میں ترقی و وسعت پیدا کی، جس طرح اشاعرہ میں امام الحرمین امام غزالی کے استاد پہلے شخص میں جنہوں نے اشاعرہ کے علم کلام کو فلسفہ سے آشنا کیا، اسی طرح معتزلہ میں نظام پہلا شخص ہے جس نے اعتزال اور فلسفہ کی سرحد باہم ایک کر دی، شہرستانی

مل و خل میں لکھا ہے،  
 نظام نے اہل فلسفہ کی بہت سی کتابیں مطالعہ کیں،  
 اور انکے خیالات کو معتزلہ کے خیالات سے آمیز کر دیا،  
 لیکن اس میں شک ہے کہ ارسطو کے خیالات کی اس نے کس حد تک قدر کی، اور اسکے دلائل کی بہت سے وہ کس درجہ مرعوب ہوا، ذیل کے واقعہ سے اسکا اندازہ ہو سکیگا، ایک دفعہ اس نے جعفر برکی سے



کہا کہ میں نے ارسطو کی ایک کتاب کا رد لکھا، جس نے طعن سے کہا کہ تم اس کا رد کیا لکھو گے تم اس کی کتاب کو پڑھ بھی نہیں سکتے، نظام نے کہا، آپ کیا چاہتے ہیں؟ ارسطو کی کتاب کو اول سے آخر تک سنا دوں، یا آخر سے اول تک، یہ کہہ کر اس نے ارسطو کی عبارت پڑھنی شروع کی، اور ساتھ ساتھ اس کا رد بھی کرتا گیا،

آج اسلام کے ایک بلند پایہ متکلم کے لئے یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ اس کو اسلام کے تمام حریف مذاہب اور مخالف فرقوں سے کامل اور تحقیقی واقفیت ہو، نظام اپنے عہد میں اس معیار سے فروتر نہ تھا، یہود، نصاریٰ، مجوس، تنویہ، مانویہ، دہریہ، اس نے عہد شباب میں ان سب کی صحبت اٹھائی تھی اور ان کے خیالات اور تصنیفات سے کامل واقفیت بہم پہنچائی تھی، تورات و انجیل کا حافظ تھا، ان میں سے اکثر فرقوں کی تردید پر اس نے مستقل کتابیں لکھی ہیں،

نظام کے خیالات اور مسائل مختصر نے ارباب عقل و نقل و دونوں گروہوں میں تلامذہ اور پیچان پیدا کر دیا، مذہبی فرقہ میں اس کی بدنامی کے لئے اتنا کافی تھا کہ وہ مدون نامسلمانوں کی صحبتوں میں شریک رہا، چنانچہ امام عبدلہ قاسم بغدادی اشعری المتوفی ۳۲۹ھ، اپنی کتاب الفرق میں لکھتے ہیں،

”عہد شباب میں تنویہ، خدا کے قائل، اور ہمینہ جو ہر مسئلہ میں ہر دو جانب کے دلائل کے برابر ہونیکے قائل ہیں، ان کو لاادریہ اور مشکلیں سمجھنا چاہیے، کے ساتھ رہا، اور کسی قدر زیادہ سن بچنے پر وہ علم فلسفہ کی صحبت میں رہا، پھر ہشام بن حکم رافضی کی معیت اختیار کی، اور اس سے اور ملاحدہ سے ابوالجوزی لایجری کا مسئلہ سیکھا، اور اس پر طغوف کی بنیاد دانی جو کسی کے دہم میں بھی نہیں گذرنا تھا، تنویہ سے یہ عقیدہ سیکھا کہ جو عدل کا فاعل ہو وہ کبھی ظلم کا فاعل نہیں ہو سکتا، ہشام بن حکم سے اس مسئلہ کی تعلیم پائی کہ رنگ، مزہ، بو، آواز یہ سب جسم ہیں، اسی بدعت پر ایک ہی چیز میں مختلف اجسام

ملے ملے نکلے بنیادی ترجمہ نظام، لکھ الفرق بین الفرق میں عبدلہ قاسم بغدادی نے ضمناً ان کتابوں کا نام لیا ہے

داخل کا مسئلہ اختراع کیا تنویہ کے اعتقادات، فلاسفہ کے بدعات، اور ملاحدہ کے شہادت مذہب اسلام میں داخل کئے، برہمنوں کا یہ عقیدہ کہ نبوت کوئی شے نہیں ہے اس کو بہت پسند آیا، لیکن تلواریں ڈرے علی اعلان اس مسئلہ کا اس نے انکار نہیں کیا بلکہ اس مسئلہ کا کہ قرآن فصاحت و بلاغت میں معجزہ ہے اور انھیں دیکر معجزات کا انکار کر دیا، (صفحہ ۱۱۳ و ۱۱۴)

علامہ سمعانی وغیرہ بعد کے مصنفین اشاعرہ نے نظام پر جو الزامات قائم کئے ہیں، وہ امام موصوف ہی کے الفاظ کی صدا سے باز گشت ہے، ان سے پہلے قدامے اشاعرہ میں سے جن لوگوں نے نظام کا رد لکھا ہے، ان میں سب سے پہلے خود امام ابوالحسن اشعری ہیں، جنھوں نے اس کی تردید میں تین کتابیں لکھیں، قاضی ابوبکر باقلانی جو سرآمد اشاعرہ ہیں، انھوں نے نظام کے اصول کی تردید میں ایک ضخیم کتاب تصنیف کی،

بدقسمت نظام کے ساتھ یہ تباہ و صرف اس کے مخالفوں ہی کی طرف سے نہیں ہوا، بلکہ اسکے دوستوں نے بھی اسکے ساتھ اس سے کم حسن سلوک مرغی نہیں رکھا، ابوالہندیل جو اس کا استاد تھا، عرض حقیقت انسان اور جزیر الذی لایتحزی کے بارہ میں جو اس کی تحقیقات تھیں، ان کی تردید کی، قاضی بھائی نے جنگ شمار کا بر معتزلہ میں ہی اس مسئلہ کی بنا پر کہ خدا ظلم پر قادر نہیں، اس کو کافر ٹھہرایا جس نے جزیر الذی لایتحزی کے مسئلہ میں اس کی تکفیر کی،

نظام کفر کا مجرم ہوا نہ ہو، لیکن ضرورت ہے کہ گیارہویں صدی کے بعد اسکے خیالات کا جائزہ لیا جائے، اور سنا جائے کہ آخر کرنا کیا چاہتا ہے، مگر شکل یہ ہے کہ اسکے خیالات کا کوئی صحیح اور کامل نسخہ ہمارے سامنے موجود نہیں، اشاعرہ کے کتب کلام میں اسکے جتنے جتنے فقرے موجود ہیں، خوش قسمتی سے جنوری ۱۹۱۱ء میں امام ابو منصور عبدلہ قاسم بن طاہر بغدادی الاشعری المتوفی ۳۲۹ھ کی ایک تصنیف فرق بین الفرق، برلن کے ایک کتب خانہ سے منقول ہو کر مصر سے شائع ہوئی ہے، امام موصوف نے



تردیداً نظام کے اکثر اصول اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں تاہم انھوں نے استیعاب نہیں کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

و نحن نذكر في هذا الكتاب ما هو المشهور  
من فضائحه (۱۱۵) ہم اس کتاب میں اسکے سوا کئی مسائل ہیں سے  
صرف مشہور مسائل کا ذکر کرتے ہیں،

امام موصوف نے نظام کے منتشر خیالات، مختلف دفعات میں لکھے ہیں، ان منتشر خیالات کو کسی ایک نظام یا مسلسل فلسفہ کی صورت میں پیش کرنا مشکل ہے، تاہم جہان تک ممکن ہے اس میں نظم و اتصال پیدا کرنی کی کوشش کی جائیگی تاکہ کم از کم اسکے خیالات کا دھندلا سا خاکہ بھی منظر عام پر آجائے، اسکے مغزعات میں بعض ایسے مسائل بھی ہیں جنکو موجودہ مسائل فلسفہ طبعیہ والہینہ سے بہت کچھ توارد ہے،

مسئلہ خیر و شر دنیا میں دو چیزیں الگ الگ موجود ہیں، ایک خیر اور دوسری شر، خدا ستر پایا خیر ہے اس سے شر صادر نہیں ہو سکتا، ایرانیوں نے اسی بنا پر شر کے لئے ایک اور خالق بنایا جسکو وہ اہرن کہتے ہیں، اس زمانہ میں عراق جو گویا ایران کا ٹکڑا تھا، حکومت اور علم و دنوں کا مرکز تھا، اسی بنا پر متکلمین اسلام نے اس مسئلہ پر سب سے زیادہ توجہ کی، اور یہی مسئلہ بہت سے مختلف فیہ مسائل کا بیج بن گیا، اسلام کے تمام فرقے اس امر پر متفق ہیں کہ خدا سے عز و جل کی ذات ہر قسم کے کمالات کا منبع ہے، ہر قسم کا محاسن کا مصدر، اور ہر قسم کے صفات حسنہ کا مرکز ہے، اور وہ تمام برائیوں سے پاک اور بدیوں سے منزہ ہے، اور ہمیشہ اسکے افعال ایسے ہی ہوتے ہیں، جو تمام مخلوقات کے لئے نفع اور خیر ہی ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اپنے مخلوقات کے مصالح کے خلاف اس سے کوئی فعل شر سہرزد ہو، اشاعرہ اور معتزلہ کا اسکے متعلق مختلف جواب ہے،

اشاعرہ کہتے ہیں چونکہ اسکو ہر قسم کی قدرت علی الاطلاق حاصل ہے، اسکے ایسا ہونا محال نہیں

لیکن یہ کہ وہ اپنی وسعت قدرت کے لئے کبھی ایسا کرے بھی، معتزلہ کی دو بڑی شاخیں ہیں، جبرین اور لبداوین، اور بعض امور میں انکا اختلاف بھی ہے، بصریہ کہتے ہیں، عقلاً تو یہ محال نہیں، لیکن عادتاً محال ہے، یعنی از روئے عقل خدا سے مصالح عباد کے خلاف کسی فعل کا صدور ممکن ہے، کہ جو علی کل مبنیٰ قدس (قرہ) وہ ہر شے پر قادر ہے، لیکن خدا کی یہ عادت نہیں ہے، کہ بندوں کی بھلائی اور نیکی کے سوا وہ کوئی اور کام کرے جو قبیح اور شر ہو، لبداوین اسکے عقلاً اور عادتاً دونوں کے محال ہونیکے قائل ہیں،

اس مسئلہ کی اصلی گرہ کشائی تو ابن رشد نے کی ہے، کہ مغالطہ کی اصل بنیاد دعویٰ کا پہلا ہی مقدمہ ہے یعنی یہ کہ دنیا میں خیر و شر دو الگ الگ چیزیں مستقل موجود ہیں، خیر و شر ایک صفت ہے جو ہر شے استعمال کے اختلاف سے افعال کو عارض ہوتی ہے، ورنہ فعل بجائے خود نہ خیر ہی نہ شر، لیکن نظام بھی اس نکتہ سے غافل نہ تھا، وہ کہتا ہے کہ خدا سے کوئی فعل نہ ایسا صادر ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے، و شر اور مخلوقات کے مصالح کے خلاف ہو، بلکہ خدا شر پر قدرت ہی نہیں رکھتا،

یہ کہنا کہ خدا میں بعض چیزوں کی قدرت نہیں، ایک مکروہ اور ناگوار اور خلاف ادب فقرہ ہے، اس لئے مخالف فرقوں نے نظام کو اس عقیدہ پر نہایت ملامت کی، لیکن مکروہ اور خلاف ادب ہونا اور بات ہے، اور اس کا واقعیت پر مبنی ہونا اور بات ہے، اس مسئلہ کے جواب میں کہ خدا بنی نظیر آپ پیدا کر سکتا ہے یا نہیں، اشاعرہ کے ہاں بھی جواب یہی سنا ہے کہ خدا محالات پر قادر نہیں، عالم یعنی یہ مجموعہ کائنات مع ان تمام اشیاء کے جو ازل سے اس وقت تک پیدا ہوئے ہیں، اور اس وقت سے قیامت تک پیدا ہونگی، ہر کو بظاہر نظر آتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ مخلوق ہوتی ہیں، تاہم کہتا ہے کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، آغاز خلقت سے قیامت تک جو کچھ پیدا ہونا تھا وہ رفتہ رفتہ اور یکبارگی پیدا ہوا ہے، تم سوال کرو گے کہ یہ تو بدہمت غلط ہے، کوئی شے آج پیدا ہوتی کوئی کل ہوتی ہے، کوئی



پرسون ہوتی ہے کوئی برسوں کے بعد ہوتی ہے، نظام اسکے جواب میں کہتا ہے کہ "خلق" اور "ظہور" دو چیزیں ہیں، مخلوق تو تمام مجموعہ کائنات ایک ساتھ ہی ہوا ہی، البتہ تمہارے سامنے اس کا ظہور بہ ترتیب اور بتدریج ہوتا ہے،

اسکی مثال یہ ہے کہ تم ایک دریا کے ساحل پر کھڑے ہو تم دیکھتے ہو کہ پانی روانی کے ساتھ ایک طرف سے آتا ہے اور دوسری طرف سے نکل جاتا ہے، تم سمجھتے ہو کہ یہ موجیں چند منٹ پہلے اپنی اب آگئیں، اور پھر تھڑی دیر کے بعد فنا ہو گئیں، لیکن تمہارے خیال کا شہیر اگر تم کو اڑا کر ایک ایسے مقام پر کھڑا کر دے جہاں سے تمہاری نظر تمام دریا کے طول و عرض پر محیط ہو تو معلوم ہوگا کہ دریا کا قطرہ قطرہ پہلے سے موجود ہے، البتہ اسکا ظہور پہلی بار تمہارے سامنے بتدریج اور رفتہ رفتہ ہوتا تھا،

انشاعرہ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ باپ مان، اولاد ایک ساتھ مخلوق ہوں، اسکا جواب وہی ہے جو الست برکم قالوا بلی، کی تفسیر میں ہر مفسر کہتا ہے کہ خدا نے تمام کائنات کو ایک دفعہ مخلوق کر کے اُنسے خطاب کیا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں، سب نے کہا، ہاں کیونہیں،

علاوہ ازیں اس مسئلہ پر ذرا غور سے نظر ڈالو، عالم میں دو چیزیں ہیں، ذی روح اور غیر ذی روح، جو غیر ذی روح ہیں، انکا ظہور فنا صرف مادہ کے تغیر صورت کا نام ہے، جو ذی روح ہیں وہ دو چیزوں سے مرکب ہیں، روح اور جسم، جسم کا وجود اور فنا بھی وہی مادہ کے تغیرات ہیں روح کی نسبت تم بھی سمجھتے ہو گے کہ وہ روز بروز پیدا نہیں ہوتی، بلکہ خدا نے ازل میں ایک دفعہ اُنکو پیدا کر دیا، ان کا وجود فنا ایک انسان کی نگاہ میں صرف مادیات کے ساتھ انکے تعلق و قطع تعلق کا نام ہے،

تجدد مثال | لیکن اس حالت میں کیا عالم ایک غیر متبدل تصویر ہے، نقاش ازل نے جس میں جو رنگ ایک دفعہ بھر دیا وہ ہمیشہ کیلئے رہ گیا، اگر ایسا ہی تو عالم میں یہ نیز نگہیان کیونکر ہیں، اور اس حالت میں

خدا کی ضرورت کیا ہوگی؟ اس کا جواب نظام کا ایک اور نظریہ ہے جسکو قدیم اصطلاح کے مطابق مسئلہ تجدد مثال کہتے، یا اب اسکی بجائے اس سے زیادہ سہل "تجدد ذرات" کی اصطلاح قائم کیجئے، اسکی تشریح یہ ہے کہ عالم اور عالم کی ایک ایک چیز ہر آن میں بدلتی جاتی ہے، خدا اسکے پرانے اجزاء کو ہمیشہ علیحدہ کرتا اور نئے اجزاء کو داخل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ ایک مدت کے بعد کسی مخلوق کے جسم میں سابق اجزاء کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہ جاتا، لیکن چونکہ ذرا پرانے اجزاء کی جگہ نئے اجزاء قائم ہوتے رہتے ہیں، اسلئے عام لوگوں کو اس تغیر کا احساس نہیں ہوتا،

نظام کی اس تحقیق کی اور لوگوں نے تو یہ داد دی، کہ انکو باور نہیں آتا کہ دنیا میں کوئی ایسا بیوقوف ہی ہو سکتا ہے جو اس درجہ حماقت کی باتیں کرے، لیکن ارباب کشف و تصوف میں یہ خیال نہایت مقبول ہوا، مولوی رحم فرماتے ہیں،

|                             |                             |
|-----------------------------|-----------------------------|
| پس ترا ہر خطہ مرگ رجتے است  | مصطفیٰ فرمود، دنیا ساعے است |
| ہر نفس نومی شود دنیا، و ما  | بے خبر از نوشدن اندر بقا    |
| عمر بچون جوے نو، نومی رسد   | مستمی نماید در جسد          |
| آن ز تیزی مستمر شکل آید است | چون شرر کش تیز جنبانی بدست  |
| شلیخ آتش را جنبانی بساز     | در نظر آتش نماید پس دراز    |

مولوی رحم اسکی مثال چنگاری سے دیتے ہیں، ایک چنگاری کو اٹھا کر اگر گردش دو لوہے شعلہ ایک شعلہ دائرہ کی صورت میں نظر آئے گا، حالانکہ خوب معلوم ہے کہ چنگاری جب پہلی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ آئی تو وہ پہلی جگہ پر موجود نہ تھی، اور جب دوسری جگہ سے تیسری جگہ گئی تو دوسری جگہ پر موجود نہ تھی، لیکن چونکہ اس تیزی سے اسکی گردش ہو کر اسکے سابق مقام کے فنا کا احساس تک نہیں ہوتا، مولانا بکر العلوم مثنوی کی شرح میں لکھتے ہیں،



” بیان است مسئلہ تجدّد امثال را دآن این است کہ صورتہ کائنات در ہر آن تبدیل می شود

کہ در آن صورتی محدود می شود، و صورت آخری در آن موجودی شود با وحدت عین، و این نیست کہ یک صورت باقی باشد در دآن، لیکن چونکہ صورت زائکہ شبیہ صورت حادثہ است حس این تبدیل نمی یابد و گمان بردہ می شود کہ همان صورت ستموہ است،

یہ مسئلہ کہ جسم کے ذرات ہر لحظہ بدلتے رہتے ہیں، اب تحقیقات جدیدہ سے بھی ثابت ہوئی اور اب یہ طبیعیات کا ناقابل انکار مسئلہ بن گیا ہے،

انسان | اس حالت میں مذہباً اور عرفاً دونوں طریقوں سے یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر انسان ہر وقت بدلتا رہتا ہے اور آخر ایک وقت وہ آتا ہے کہ وہ کوئی نیا انسان بن جاتا ہے، تو پھر کیوں کر زید کو چند سال کے بعد وہی پرانا زید کہہ سکتے ہیں، اور جب ہمیں کہہ سکتے تو ہمارے وہ تمام معاملات اور معاہدے جو چند سال پہلے زید نامی ایک شخص سے ہوئے تھے، وہ دوسرے زید پر عائد ہو سکتے ہیں، اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ چند سال کے بعد کسی شخص کو جب کوئی سزا دی جاتی ہے تو اس حالت میں جو حقیقی مجرم ہے وہ بچ جاتا ہے اور جو سزا بھگتا ہے وہ حقیقت میں مجرم نہیں ہوتا،

لیکن نظام کے فلسفہ پر یہ اعتراض اسلئے وارد نہیں ہوتا کہ اسکے نزدیک ”انسان“ جسم عبارت نہیں، بلکہ روح سے عبارت ہے، اور اس میں کسی حال میں تغیر نہیں آتا، سزا و عذاب تکلیف جسم کو نہیں ہوتی بلکہ روح کو ہوتی ہے، جسم اس دنیا میں صرف ایک ذریعہ احساس ہے،  
روح | لوگ کہتے ہیں کہ کل فلان شے یا فلان شخص زندہ تھا، آج مر گیا، نظام کہتا ہے دنیا میں دو قسم کی چیزیں ہیں، ایک میں زندگی ہے اور دوسری زندگی سے محروم ہے، جو زندہ ہے وہ مردہ نہیں ہوتا اور جو مردہ ہے وہ زندہ نہیں ہوتا، ایک زندہ انسان بظاہر جسم و روح سے مرکب ہے، تم کہتے ہو وہ مر گیا، روح تو نہیں مری، وہ تو زندہ ہی ہے، جسم زندہ تھا، نہیں، وہ تو ہمیشہ سے مردہ تھا، اسلئے یہ کہتے کہ

زندہ روح کا مردہ جسم سے تعلق منقطع ہو گیا، اور یہ انقطاع تعلق خارجی اسباب کے عارض ہو جانے سے ہو جاتا ہے، ورنہ روح فی نفسہ مستقلاً زندہ ہے،

ہر لطیف شے اگر روح عالق نہون تو بلندی کی جانب مائل ہوتی ہے، آگ ہمیشہ اوپر کو جاتی ہے اور اگر روح پیش نہ آئیں تو وہ سماویات تک پہنچ جائے، روح انسانی بھی جو نہایت لطیف ہے، جسم سے منفصل ہو کر سماویات تک پہنچ جاتی ہے،

ظہر انما جلیست  
و اما غرض  
جمادات و نباتات کی ہر نوع میں کچھ مخصوص خواص ہیں، مثلاً آگ جلاتی ہے، پانی ٹھنڈا کرتا ہے، گلاب کا پھول دماغ کو معطر کرتا ہے، امتناس سہل ہے، ان انواع سے یہ خواص طبعاً صادر ہوتے ہیں، اور ان خواص کے علاوہ کوئی اور خاصہ آنسے ظہور پذیر نہیں ہو سکتا، یہ ناممکن ہے کہ آگ جلانے کی بجائے ٹھنڈا کرے، اور پانی ٹھنڈا کرنے کی بجائے جلانے کی بھی ہے، یا نہیں، نظام کہتا ہے حیوان بھی ایک نوع ہے، اس سے بھی ایک ہی قسم کا فعل صادر ہو سکتا ہے اور وہ اس صدور پر مجبور ہے،

تم اعتراض کر سکتے ہو کہ حیوان میں جمادات اور نباتات کے علاوہ ایک اور شے بھی ہے یعنی ارادہ! اسلئے حیوان سے کچھ فعل طبعاً صادر ہوتے ہیں، اور کچھ طبعاً نہیں، بلکہ ارادہ صادر ہوتا ہے، لیکن وہ جواب میں کہہ سکتا ہے کہ ارادہ بھی تو حیوان کا ایک خاصہ ہے،

فعل کی حقیقت  
نظام کے نزدیک ”فعل“ کی حقیقت صرف حرکت ہے، علم و ادراک یہ سب اسکے نزدیک حرکت (دماغی) کا نام ہے، یہ وہ تحقیق ہے جسکے انکشاف پر موجودہ صدی کا سائنس باز کرتا ہے، علامہ عبد القادر بغدادی لکھتے ہیں،

ظہور و الادراکات عندہ من جملة الحركات  
نظام کے نزدیک علوم و ادراکات بھی جملة حرکت ہے،  
جسم کی ترکیب | جسم اگر مرکب ہی تو اسکے اجزا کیا ہیں، یونانیوں میں تالیس ملتی کہتا ہے کہ تمام اجسام کی



اصل صرف پانی ہی، انکر مندر کے نزدیک یہ فضا سے غیر متناہی ہی، انکمانس ہو کر اصل اجسام قرار دیتا ہی، دیمقراطیس ایسے چھوٹے چھوٹے ذرات سے جسم کی ترکیب کا قائل تھا جنکی تقسیم نہ خارج میں ہو سکتی ہی نہ وہم و خیال میں، ارسطو نے ہیولی اور صورت کا نظریہ پیش کیا،

یونانی تراجم جب مسلمانوں کے سامنے آئے تو تکلمین اسلام نے دیمقراطیس کے مسلک کے اختیار کیا، اور اس شدت سے اس پر اصرار کیا کہ یہ کفر و اسلام کا معیار ہو گیا، اس نظریہ کا امتنا حصہ تو بیشک ناقابل انکار ہے کہ جسم ذرات سے مرکب ہی اور خارج میں انکی تقسیم نہیں ہو سکتی، لیکن انکے عدم قبول انقسام پر یہ اصرار کہ خارج میں ذہن میں بلکہ وہم و گمان و تصور میں بھی انکی تقسیم نہیں ہو سکتی صحیح نہیں، تم چھوٹے سے چھوٹا جز بھی لو، کم از کم اس میں فوق و تحت اور کمین و بسیار ضرور ہوگا اور جب اس میں امتیاز پیدا ہو گیا تو وہ تقسیم بھی ہو گئی،

**نظام کا نظریہ** یہ ہے کہ جسم ذرات سے مرکب ہی، لیکن ان ذرات کی تقسیم غیر متناہی حد تک ہو سکتی ہے۔ **ظفرہ** نظام کے نظریات میں ظفرہ جب قدر زبان زد ہی، شاید فلسفہ کا کوئی مسئلہ ہو، ظفرہ کے لغوی معنی پھانڈنے کے ہیں، لیکن اصطلاح میں ظفرہ سے یہ مقصود ہے کہ کوئی جسم ایک جگہ سے دوسری جگہ اس طرح منتقل ہو جائے کہ درمیانی مسافت کے قطع کرنا کی ضرورت نہ پڑے، اور یہ بدایتہً باطل ہے۔ اسی لئے نظام کا ظفرہ محالات کی تمثیل کے لئے زبان زد ہے،

اصل یہ ہے کہ معترضین نے نظام پر یہ اعتراض کیا کہ تم جسم کو غیر متناہی اجزاء سے مرکب مانتے ہو، اس بنا پر لازم آتا ہے کہ کوئی شے ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت نہ کر سکے، کیونکہ اسکو حرکت کے لئے ضروری ہے کہ وہ جسم کے ایک خاص حصہ کو ختم کرے، اور چونکہ جسم تمہارے نزدیک غیر متناہی ذرات سے مرکب ہی، اور غیر متناہی ختم نہیں ہو سکتا، اسلئے دوسری جگہ اس کا پھینچنا محال ہوگا، نظام کہتا ہے کہ وہ بطور ظفرہ کے پھینچے گا، شاید نظام کا مطلب یہ ہو کہ یہ ذرات جو تقسیم کے بعد غیر متناہی

ایک نکلنے والے ہیں، وہ بالفعل تو متناہی ہیں، قطع مسافت ان ذرات کی ہی جو بالفعل متناہی ہیں، لیکن ان بالفعل متناہی ذرات کے اندر جو غیر متناہی ذرات پوشیدہ ہیں وہ کیونکر قطع ہو سکتے ہیں؟ بالفضل حالت کون میں بطور ظفرہ کے طے ہوتے ہیں،

جسم کا ذرات سے مرکب ہونا، اور انکا بالقوتہ غیر متناہی تقسیم قبول کرنا جو نظام کا مسلک ہے، بنیاد پر کی موجودہ تحقیق ہے،

**حقیقت** خارج میں جسم کے وجود کا کسکو انکار ہو سکتا ہی، تمہارے سامنے سنگ مرمر کی ایک بڑی، ہر شخص کو اسکے وجود کا یقین ہی، انکھ سے اسکو دیکھ رہے، ہاتھ سے اسکو چھو رہے، لیکن ذرا کاوش اور غور سے کام لو، کیا تم جسم دیکھ رہے ہو، نہیں سپیدی، کیا تم چھو کر جسم کو محسوس رہے ہو، نہیں صرف اسکی سختی اور چکنا پن، اس بنا پر تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ تمہارا جسم کے وجود کا یقین ہے، نظام کہتا ہے کہ جسم کی حقیقت یہی ہے، رنگ، سختی، نرمی، مرزہ، بو وغیرہ انھین کے مجبورہ کا جسم ہے، جسم انکے اجتماعی ترکیب کے علاوہ کوئی اور شے نہیں، نظام کی یہ تحقیق آج دانا یان فلک کے ایک بڑے حصہ کا متفقہ علیہ ہے،

**حقیقت** "عرض" اسکو کہتے ہیں جو خود مستقل ہو کر موجود نہیں ہوتا، بلکہ کسی دوسری شے میں ہو کر پایا جاتا ہے، مثلاً سپیدی، سیاہی، خوشبو، شیرینی، ترشی، انکا وجود دنیا میں جسم کے علاوہ ہو کر کہاں نہیں ہے، نظام اسکا قائل ہے کہ یہ تمام چیزیں مستقلاً پائی جاتی ہیں، اور یہ چھوٹے ذرات سے مرکب ہیں، آج پورپ کے بعض نامور محققین کا بھی یہی مذہب ہے، لیکن اسکی اولیت کا شرف نظام ہی کو حاصل ہے،

**حکما** اس حواس خمسہ جو انسان کے ذرائع علم ہیں، ان سے کیا چیز معلوم ہوتی ہے؟ اہل فلسفہ اسکے باب میں ہر سانسہ کے درکات گناتے ہیں، لامسہ سے سختی اور نرمی، باصرہ سے رنگ اور روشنی،



واللہ سے مزہ، سامعہ سے آواز، نظام کتاہی تھانہ جسم کے سوا اور کسی چیز کا احساس نہیں کرنا  
 کیونکہ جب تک وہ شے جس کا ہم احساس کرنا چاہتے ہیں ہمارے کسی حاسہ کو ٹھکراتی نہیں اس کا علم نہیں  
 ہوتا، اور ٹھکرانا اور اس سے ٹکرانا جسم کا کام ہے، اسی لئے نظام کے نزدیک رنگ، بو، مزہ وغیرہ ہی جسم ہیں  
 دو آدمی ایک <sup>دو آدمی ایک</sup> <sup>ایک آدمی ایک</sup> بظاہر ہر نوع خیال معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی شے کا دو آدمی احساس نہیں کر سکتے، اگر  
 دو آدمی یا آٹے زیادہ اشخاص ایک ہی چیز کا برابر احساس کرتے ہیں لیکن درحقیقت ہر سواست کے  
 علاوہ اور محسوسات کی نسبت یہ دعویٰ ایک مغالطہ ہے،

ہم ایک مجسمہ کو دیکھتے ہیں لیکن اس طرح کہ اس کی تصویر ہماری آنکھ کے آئینہ پر کھینچ جاتی ہے اب اگر  
 حقیقت میں ہماری بصارت نے احساس کیا تو اس تصویر کا جو آنکھ پر کھینچی، چار آدمی اگر ایک ہی مجسمہ کو  
 دیکھ رہے ہیں تو ہر شخص درحقیقت الگ الگ تصویر کو دیکھ رہا ہے، اتنا بے شبہہ صحیح ہے کہ یہ مختلف تصویریں عموماً  
 ایک ہی مجسمہ کے مطابق ہیں، اسلئے یہ کہنا مجازاً صحیح ہے کہ ہم سب نے ایک ہی چیز کو دیکھا ہے، ایک سبب  
 آپ کے سامنے ہے، آپ ایک قاش چکھ کر کہتے ہیں کہ میٹھا ہے اور قاشین کاٹ کاٹ کر آپ حلقہ احباب  
 تقسیم کرتے ہیں لیکن کیا فی الواقع ہر شخص کا حاسہ ذوق ایک ہی مزہ کو چپک رہا ہے نہیں ایک ہی قسم کے  
 مزہ کو چپک رہا ہے، ایک آواز چند آدمیوں کے کانوں میں آرہی ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے  
 بولنے والا ہوا میں موج پیدا کرتا ہے، وہ موج دائرہ کی صورت میں بڑھتی ہے، ہر شخص کے کان کو دائرہ کا ایک  
 حصہ متاثر کرتا ہے، اس بنا پر ہر ایک سننے والا جس شے کو اپنے کان میں محسوس کرتا ہے وہ دوسرے  
 بالکل تغیر ہے، لیکن یہ صحیح ہے کہ وہ ایک ہی قسم کے متوج کے متاثرات ہیں اور اسلئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایک ہی گونسنے  
 نظام نے ان مسائل کے علاوہ اور بعض خالص مذہبی مسائل میں بھی دخل دیا ہے مثلاً یہ کہ وہ  
 معجزات کا منکر ہے، قرآن مجید کو فصاحت و بلاغت میں معجزہ نہیں مانتا بلکہ اخبار غیب میں معجزانہ ہے، اجمل کا  
 قائل نہیں ہجرت تارکی طبیعت کا معتقد نہیں، ہیکون مسائل کی صحت و خطا بے بحث نہیں، -

## تصورات کلیہ

ذیل کا مضمون ایک دقیق اور محرکہ آرا و منطقی مسئلہ کی مجتہدانہ تشریح ہے، یہ مضمون اگر کسی یورپین  
 رسالہ میں طبع ہوتا تو یقیناً ایک عالمگیر مرجع دستاویز کا مستوجب ہوتا، لیکن ہندوستان میں ہماری مالی طرفی  
 اسی قدر داد چاہتی ہے کہ اس مضمون کو کم از کم ایک بار پڑھ لیا جائے،

صاحب مضمون کے اظہار نامہ کی بہن جرأت نہیں، اور ضرورت بھی نہیں کہ یہ تصور کلی نہیں  
 بڑی ہے، چہرہ پر جو باریک نقاب پڑی ہے کم از کم احباب لکھنؤ کا ہر شاخ لکھنؤ کو لکھنا چاہئے:

بہر زنگیکہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدرت را می شناسم

سقراط کا قول ہے کہ کسی چیز کا صحیح علم بلا تصور کلی کی جانب رجوع کئے ناممکن ہے۔ ارسطو تصورات کلیہ یا  
 کلیات اشیا کی جستجو ہی کو سقراط کا واحد فلسفیانہ کارنامہ خیال کرتا ہے (الہیات ارسطو۔ ذکر سقراط خصوصاً الہیات کی  
 مرکز آریون کا اکھاڑہ قریباً ڈھائی ہزار سال سے یہی مجردات یا کلیات ہیں، ریاضیات کے حدود و اصول  
 سراپا مجردات ہیں، علوم طبیعیہ جنکی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر ہے ان کا قدم بھی بے وضع کلیات کے نہیں اٹھتا،  
 ہماری روزمرہ کی گفتگو یا تحریریں دس جملے بھی ایسے شکل سے تسکین گئے، جو الفاظ کلی کے استعمال سے خالی  
 ہوں۔ کیا ایک ایسی شے کے وجود واقعی سے، جس کا استیلا اور جسکی احتیاج اس قدر عالمگیر ہو، انکار یا شبہہ  
 لگا بھی ممکن ہے،

۳۰۔ اپریل ۱۹۱۱ء کے روزنامہ میں قارئین کی توقع کے خلاف اس سوال کا جواب یہ پاتا ہوں  
 مفادیم کی تقسیم کلی اور جزئی صحیح نہیں معلوم ہوتی، یا تمام مفادیم کلی ہیں یا تمام جزئی، صورت ثانی قابل قبول ہے  
 ۱۔ اگست ۱۹۱۱ء میں یہ ملتا ہے "زبان میں الفاظ کی موجود ہیں انکا استعمال اس قدر کثیر اور ناقابل اعتناء  
 ہے کہ دعویٰ کا ہونے لگتا ہے کہ ذہن میں کوئی واقعی مصداق کلی بھی موجود ہے، ورنہ دراصل ذہن مصداق کلی



کے تصور سے بالکل عاجز ہے، اسی بنا پر جب کسی حکم کا محکوم علیہ کلی ہو تو ذہن کے سامنے کوئی نہ کوئی جزئی آجائے اور برعکس تشیل وہ تمام افراد پر مجمل حکم لگا دیتا ہے۔ برکے نے اپنی کتاب "مبادی علم انسانی" پر جو مقدمہ لکھا ہے اور اس پر نظر پڑی، وہ تمام تر اسی بحث سے متعلق ہے، فلسفہ کی نشاۃ جدیدہ کے اس بلند پایہ فرزند کے ساتھ تو اردو ذہنی نے ہمت بندھائی کہ اس موضوع پر پنجبالہ افکار کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ پیش کر دے اور خود اس مقدمہ کو بھی اردو میں ہدیہ ناظرین کر دے، جسکو اس مسئلہ پر خاتم المباحث کہنا چاہیے،

کلیات کا مسئلہ علی العموم فن منطق کا ایک ٹکڑا خیال کیا جاتا ہے، جو ایک حد تک بجا بھی ہے لیکن مجردات یا کلیات کی مابیت، ان کا نشا، اور انکی حقیقت ذہنی کو روشنی میں لانے کے لیے وصل نفسیاتی جہت سے فکر و مال کرنا چاہیے، یہاں تک پہنچ کر معانی خیالی آیا کہ اس بحث پر نفسیات کے امام اعظم دیم جیمس کا فیصلہ معلوم کے بغیر قلم کو آگے بڑھانا، اسکی پایہ ناشناسی سے زیادہ اپنی کم نظری کا ثبوت ہوگا۔ نہایت ذوق و شوق سے اسکی مشہور کتاب "مبادی نفسیات" کا گیارہواں باب جو اسی بحث سے متعلق ہے کھولا۔ اور سن گمان کے ساتھ پڑھنا شروع کیا، کہ بس اب تھوڑی دیر میں ساری گرہیں کھلی جاتی ہیں لیکن حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی جب یہ معلوم ہوا کہ برکے کی تیز مشعل کے سامنے موجود ہونے پر بھی اسکی مجتہدانہ نگاہ دوہرا برس کے پردہ کا ظلمت کو نہ چیر سکی، ادب بالآخر اجتہاد نے روایت سے شکست کھائی، استعجاب کا زیادہ ماسف انگیزہ بات ہے کہ عالم نفسیات کی حیثیت میں بجائے اسکے کہ ایسے اہم مسئلہ کی ذہنی تحلیل و تشریح کرے، اپنی عام عادت کے خلاف مل وغیرہ کے چند اقتباسات کی مناظرانہ اور انشا پر دازانہ تنقید پر قناعت کی ہے، مجبوراً اب ہم رہنما سے وحید نشیب برکے کا ہاتھ پکڑ کر چلتے ہیں، سب سے پہلے سہولت فہم کے لیے مجردات و کلیات کی توضیح ضروری ہے اور امید ہے کہ

لے مسئلہ میں اگر لینڈ میں پیدا ہوا، اسے عین آگسٹورڈ میں مرا، اسکی مشہور ترین کتاب "مبادی علم انسانی" ہے، جس میں وہ مادہ اور کائنات مادی کا تعلق حکم ہے، ذہن یا نفس سے باہر کسی شے کا وجود نہیں، کسی چیز کی موجودیت کے صرف اتنے معنی ہیں کہ کوئی۔ رک اس کا ادراک کر رہا ہے، نفس در کہ کے الگ کر لینے کے بعد کسی خارجی غیر در کہ شے کا وجود نہیں ثابت کیا جاسکتا،

ای توضیح کی روشنی میں اسے با سب مامل کی نگاہ میں جاوہ استقامت کو پالینگی،

زبان میں دو مختلف قسم کے لفظ موجود ہیں۔ ایک مثلاً چنگیز خان، پنولین، ہومر، فردوسی، اسپینسر بن سینا وغیرہ، دوسرا انسان۔ اسی طرح لندن، پیرس، اسکندریہ، کلکتہ، وغیرہ اور شہر، آئمن، عربیا، لوسینا، وغیرہ (خاص خاص جہازوں کے نام) اور جہاز، مبادی نفسیات، گلستان، شعرا، نظم وغیرہ۔ اور کتاب، یا کھڑا دل، شعرا، تاج محل وغیرہ اور عمارت، ان میں پہلی قسم کے الفاظ جزئی کہے جاتے ہیں، اور انسان، شہر، کتاب عمارت، یا ان کے مثل الفاظ کا نام کلیات ہے، ایک دوسری صورت یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ سفید تھپڑ، وہ سفید کاغذ، سامنے کی الگنی پر والا سفید کوٹ لو، اور دوسری طرف محض سفیدی یا اسی طرح ایک جانب اپنا لکھنے والا ڈیرہ گز، بالبا مستطیل میز، اپنے ہاتھ کا ۶ اینچ والا قلم، ایک فٹ کا لمبا کاغذ جیسے لکھ رہے ہو رکھو اور دوسری جانب صرف لمبائی ان میں ثانی الذکر یعنی سفیدی، لمبائی یا اسی قبیل کے لفظوں کو مجردات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اول الذکر کو موقوف کیا جاسکتے ہو،

اب تقسیم اول کے پہلے تسمین میں مثال کے طور پر تاج محل لو۔ تو ظاہر ہے کہ اسے مراد وہ خاص عمارت ہے جو اگرہ میں جمنا پر واقع ہے جسکی کرسی ۲۸ فیٹ بلن، ۳۱۳ فٹ مربع ہے جسکے چاروں گوشوں پر ۳۱۳ فٹ کی اونچے مینار ہیں، وسط میں ۸۶ فٹ مربع گمبیدی مقبرہ ہے، یہ ساری عمارت سفید سنگ مرمر کی ہے، وغیرہ وغیرہ لیکن نفس لفظ عمارت کے معنی میں نہ تو مربع ہونے کی تخصیص ہے۔ نہ مستطیل، نہ مدور، نہ مثلث، نہ سنگ مرمر کی شرط ہے نہ سنگ مرمر کی نہ اینٹ کی، نہ لکڑی کی نہ مٹی کی یہی حال اور قیود کا ہے، یا یوں کہو کہ یہ لفظ ہر جگہ برورپ، ایشیا، افریقہ، امریکہ، آسٹریلیا، کمین کا کوئی مکان کسی شکل کسی مصالح کسی ضرورت کسی حیثیت کا بنا ہو سکیگا، لیکن ان طور پر مراد لے سکتے ہیں، ان مرادی معنوں کا نام علی الترتیب مفہوم جزئی اور مفہوم کلی رکھ لو۔ یہ ان دو مختلف قسم کے لفظوں کی مراد یا مفہوم کا وہ معمولی فرق ہے جسکی بنا پر ہم اپنی روزانہ زندگی میں انکو دو مختلف مواقع پر استعمال کرتے ہیں۔ اور اس مراد استعمال میں عامی اور فلسفی سب برابر ہیں، نزاع کی



کوئی گنجائش نہیں

اصل بحث یہ ہے کہ ان مختلف المراد لفظوں سے ذہن میں مختلف تصورات کیا پیدا ہوتے ہیں؟ اگر  
 تھے خود تاج محل کو دیکھا ہے تو جوت اس کا تصور ذہن میں باندھنا چاہو گے، تمہارے ملاحظہ اور یادداشت  
 کے درجہ کے مطابق اسکی دھندلی یا صاف تصویر ذہن کے سامنے کھنچ جائے گی، ورنہ اگر تم نے اسکی نقل و  
 دیکھی ہے، یا صرف تھوڑا بہت حال سنا ہے، تو بخیر ایک تصویر تیار کرو گے، جو اصل سے بہت سی باتوں میں مختلف  
 ہونے پر بھی مجبور ہوگا، اب سوال یہ ہے کہ اسی طرح اگر ہم لفظ عمارت سے کوئی تصور باندھنا  
 چاہیں تو وہ کیا ہوگا؟ آیا وہ نوع عمارت کے تمام ممکن الوجود افراد جزئیہ کے مابہ الاشتراکات کی ایک ایسی جامع  
 مانع متعین تصویر ذہنی ہوگی جو گذشتہ موجودہ، آئندہ تمام خاص خاص عمارت کو بخوبی ہوگی (اگر ذہن کلیات کی  
 کوئی ایسی مشخص تصویر کھینچ سکتا ہے تو ہی کا نام تصور کلی ہے جو اس مضمون کا عنوان ہو یا وہ کسی ایک خاص فرد عمارت  
 کا تصور مع اپنے تمام جزئی خصوصیات کے ہوگا، لیکن ذہن یہ فرض کر سکتا ہے کہ یہ خصوصیات عمارت کی حقیقت نوعی  
 میں داخل نہیں، پہلے نظریہ کا اصطلاحی نام **تصوریت** ہے، جو برکے کے قریباً تمام پیشرو فلاسفہ کا مذہب ہے، اور  
 دوسرا سمیت کے نام سے مشہور ہے، جو خود برکے اور اس کے اتباع کا مذہب ہے،

یہاں تک کہ تھے تصور کلی کی حقیقت متعارف اچھی طرح سمجھ لی، اب ہم تصور مجرد کی کسی قدر توضیح کرتے ہیں  
 گو میرے نزدیک مجرد اور کلی الفاظ میں کوئی خاص معنوی فرق نہیں، لیکن علی العموم الفاظ کی تقسیم کیجاتی ہے اور  
 موجودہ بحث پر اس تقسیم کی صحت و قبح کا کوئی اثر نہیں، اسلئے یہاں اس قضیہ کا چھیرنا بے محل ہے، اور مجردات  
 کی مثالیں سفیدی اور لمبائی بیان کی گئی ہیں، اس طرح مکانیت، شجریہ، انسانیت، شلثیت، مربعیت  
 وغیرہ سب اسکی مثالیں بن سکتی ہیں، تمہارے سامنے سفید پتھر کا ایک مربع منیر رکھا ہے، ظاہر ہے کہ اس منیر کا جزئی  
 تصور پتھر، سفید اور مربع وغیرہ متعدد چیزوں کا مرکب ہے، اب سوچنا یہ ہے کہ کیا ذہن کے لیے یہ ممکن ہے کہ اس منیر کے  
 تمام اور جزئیات اور خصوصیات کو چھوڑ کر محض سفیدی، محض مربع پن، یا محض حجریت کا متعین تصور قائم کر سکے

گروہ ایسا کر سکتا ہے تو بس یہی تصور مجرد ہے،

تصور مجرد کا فرق پوری طرح ذہن نشین رکھنے کے بعد یہ بالکل صاف ہے کہ مفہوم کلی اور مفہوم مجرد کوئی بحث  
 و اختلاف کی شے نہیں، کیونکہ اس سے کون انکار کرے گا کہ انسان بول کر کوئی خاص فرد زید، عمر، وغیرہ نہیں  
 اور لیا جاتا، بلکہ نوع انسان کے تمام افراد اور لمبائی سے کسی خاص شے، قطب مینار یا ابرام مصری کی لمبائی  
 نہیں سمجھی جاتی، بلکہ ہر مقدار والی شے کی لمبائی، ہاں جس چیز میں جھگڑا ہو، وہ کلیات و مجردات کا مفہوم نہیں، بلکہ  
 تصور ہے، یعنی یہ کہ کلی یا مجرد الفاظ کا ذہن میں کوئی ایسا ہی وسیع اور مشخص مصداق ہوتا ہے،

لیکن میرے نزدیک ذرا سوچنے کے بعد تصور کلی یا مجرد کا نام ممکن الوجود ہونا اتنا ہی صاف ہے، جتنا مفہوم  
 مجرد یا کلی کا ناقابل نزاع ہونا، بلکہ اس سے زیادہ، کیونکہ اگر تم انسان کا تصور اپنے ذہن میں باندھنا چاہو تو  
 اس کے معنی یہ ہونگے کہ وہ آدمی کی ایک ایسی ذہنی تصویر ہو، جس کا رنگ نہ گورا ہو، نہ کالا، نہ سادہ، نہ  
 لکڑی اور اسکا نقشہ نہ چینی ہو، نہ عربی، نہ ہندی، نہ مصری، نہ فرنگی، نہ کسی اور ملک کا۔ اس کا قد نہ دراز  
 نہ اندھا، نہ لپٹ، اس کا لباس نہ انگریزی ہو، نہ جاپانی نہ ترکی۔ نہ افغانی۔ نہ عربانی، وہ نہ عورت ہو  
 نہ مرد، نہ بچہ، نہ بوڑھا، نہ جوان، اور پھر سب کچھ ہو، دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ ہزاروں اضداد و تقاض  
 کے رفع و اجتماع کا میوولی ہو، میں نہیں جانتا کہ زمین کا بسنے والا آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی ایسا تصور کرے  
 یا قائم کر سکتا ہے، یہی حال مجردات کا ہے، ذرا توجہ سے غور کرو کہ کیا سفیدی کا کوئی ایسا منہ تصور تمہارا  
 ذہن میں آسکتا ہے جو نہ برف کی سفیدی ہو، نہ روئی کی، نہ سنگ مرمر کی، نہ چونہ کی، نہ سیپ کی، نہ ہلکی نہ گہری  
 نہ ساتھی سب کو شامل ہو یا تمہارے ہاتھ میں سرخ رنگ چڑے کا ایک گیند ہے، تو کیا ذہن کے لیے یہ ممکن ہے  
 کہ رنگ وغیرہ کے تمام خصیعیات کو چھوڑ کر صرف گولائی کا تصور قائم کر سکے؟ یقیناً معمولی تامل کے بعد ہر شخص  
 ان سوالات کا جواب نفی میں دے گا

ایک شبہ یا اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ گزشتہ مجرد یا کلی تصور قائم کرنے سے عاجز ہے، تو پھر احکام کلی



کا تعلق کیا محض کلی الفاظ سے ہوتا ہے، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ خارج میں کسی کلی وجود نہیں، مثلاً جب یہ وجود  
 کیا جاتا ہے کہ مثلث کے قیون زاویے دو قائمون کے برابر ہیں، تو معلوم ہے کہ یہاں کوئی خاص زاویہ نہیں  
 مساوی الاضلاع، یا مختلف الاضلاع مثلث مراد نہیں، بلکہ تخصیص ہر ایک مثلث، اور خارج میں جو مثلث ہوگا  
 ان تمام قیود کے معرانیہ ہو سکتا، لہذا اس حکم کے لیے صرف لفظ مثلث رہتا ہے جو کسی معنوی حقیقت کا محکوم علیہ نہیں ہو سکتا  
 حقیقت یہ ہے کہ احکام کلیہ کا محکوم علیہ نہ تو کوئی موجود خارجی ہوتا ہے نہ تصور ذہنی، نہ خود لفظ کلی، بلکہ الفاظ کلیہ یا مجرّد کے وہ  
 معنی مرادی جنکا نام اوپر مفہوم کلی اور مفہوم مجرد رکھا ہے۔ اب اپنی زیر اعتراض مثال میں دیکھو کہ مطلق مثلث بلکہ  
 مراد کیا ہوتی ہے۔ ایک ایسی سطح جو تین مستقیم خطوط سے گھری ہو، جو دوسرے لفظوں میں مثلث کی تعریف کی  
 جاتی ہے، اور جس میں خطوط کی باہمی نسبت کا کوئی ذکر نہیں، بس یہی مراد استعمال مثلث سے متعلق تمام احکام  
 کلیہ کا محکوم علیہ ہے۔ ایک کلیات و مجردات پر کیا موقوف ہر زبان میں سیکڑوں ایسے جزئی الفاظ موجود ہیں جنکے  
 مصداق کا نہ ذہن میں تصور ممکن ہے، نہ خارج میں کبھی حواس سے علم ہوا، لیکن وہ دن رات استعمال  
 ہوتے ہیں، اور مسیون احکام کا محکوم علیہ بنتے ہیں، خدا، جبریل، شیطان، روح، وغیرہ سب اس طرح کے الفاظ  
 ہیں، کہ جنکے مصداق کا نہ کبھی حسی مشاہدہ ہوا، نہ ذہن میں ان کا کوئی واضح اور متعین تصور ہے۔ انکی نسبت ہم جو  
 کچھ کہتے سنتے ہیں، اسکا تعلق صرف معنی مرادی سے ہوتا ہے مثلاً مشکل کچھ نزدیک خدا سے مراد ایک ایسی غیر  
 مادی ہستی ہے، جو نہ زمین پر ہے، نہ آسمان پر، نہ مشرق میں نہ مغرب میں، نہ شمال میں نہ جنوب میں جسکی نہ ابتدا  
 نہ انتہا، اُسکے کان نہیں مگر وہ سنتا ہے، اُسکے آنکھیں نہیں مگر وہ دیکھتا ہے۔ بتاؤ کیا تمہارے ذہن میں ایک  
 آن کے لیے بھی ایسی ہستی کا تصور آ سکتا ہے؟ قطعاً نہیں۔ پھر تم کہتے ہو کہ خدا رازق ہے، خالق ہے، قادر مطلق ہے، عظیم  
 ہے، قہار ہے، بس معلوم ہوا کہ ان تمام صفات یا احکام کا تعلق، اسی معنی مراد سے ہے، نہ کہ تصور ذہنی یا لفظ  
 سے، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ عامی آدمی کے معنی مرادی ایک تنکامل فلسفی سے مختلف ہوں، بلکہ ہوتے ہیں ہندو  
 ہرستہ مطلقاً، مثلاً نقطہ، خط، سطح وغیرہ بھی اسی صنف میں داخل ہیں، کون ذہن ایسے طول کا تصور کر سکتا ہے

جس میں عرض اور عمق نہ ہو، لیکن خط ایسے ہی طول کا نام ہے، اور اس پر اقلیدس کے صد احکام جاری کئے  
 جاتے ہیں، کیا انکا تعلق سوائے معنی مرادی کے کسی اور شے سے ممکن ہے، یہی حال نقطہ اور سطح کا ہے، اسکو بھی  
 چھوڑو۔ تم کہتے ہو کہ اجتماع نقیضین محال ہے، بتاؤ اس محالیت کا تعلق کس سے؟ خارج میں اجتماع نقیضین  
 کا وجود نہیں، ذہن اسکے مصداق کا تصور نہیں کر سکتا، لا محالہ حکم کا تعلق معنی مرادی سے ہے، یعنی کسی شے کا  
 تمام خیالات سے ایک ہی جگہ ایک ہی وقت میں موجود بھی ہونا اور معدوم بھی ہونا،

اصل یہ ہے کہ کلیات اور مجردات بھی ایک طرح کے اجتماع و ارتفاع متناقضات کا نام ہیں، اس لیے  
 نہ خارج میں ان کا وجود ممکن ہے، نہ ذہن میں تصور جب بہ وقت واحد انسان کے مفہوم میں جشی اور  
 روی دونوں داخل ہیں، تو سیاہ سفید آدمی کا تصور اس سے زیادہ آسان نہیں، جتنا مثلث مربع کا،  
 اس میں شک نہیں، کہ کلی اور مجرد الفاظ کے استعمال سے معنی مرادی کے ساتھ ساتھ کبھی نہیں  
 میں متعین تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہ تصور ہمیشہ کسی ایک فرد جزئی یا یکے با دیگرے متعدد افراد جزئیہ  
 ہی کا ہوتا ہے۔ فرض کر دو جب تم نے پہلے پہل الہ آباد کی نمائش یا کسی موقع پر ہوائی جہاز دیکھا ہوگا، تو جب  
 ہوائی جہاز کا نام آتا ہوگا، تمہاری آنکھوں کے سامنے اُسی دیکھے ہوئے جہاز کا نقشہ پھر جاتا ہوگا، لیکن اگر گفتگو  
 کا تعلق اس خاص جہاز سے نہ ہو، تو تمثیل کی بنا پر ذہن اس میں یوں تعمیم پیدا کر لیتا ہے، کہ یہ اور اس جیسے  
 تمام دیکھے اور اُن دیکھے جہاز مراد ہیں۔ پھر جب ہم روز اخبارات میں ہوائی تاخت کا حال پڑھتے ہیں،  
 تو فوکیو جہ سے ذہن ہوائی جہاز کے صرف معنی مرادی پر قیامت کرتا ہے، اور کسی جزئی جہاز کا تصور ذہن  
 بنانا لازمی نہیں ہوتا، اس لیے جب تم اول اول دیہات یا اپنے گھر سے چین میں ریل کے سفر کے لیے نکلے  
 گے، تو جہان تمہارے لیے ٹکٹ خرید گیا ہوگا، اور ریل پر سوار ہو گے، تو سنا ہوگا کہ لوگ اُس جگہ کو  
 ٹیشن کے نام سے پکارتے ہیں، چلتے چلتے پھر ایک جگہ ریل ٹھہری ہوگی، اور بہت سے نئے مسافر سوار ہو  
 گے، اور بہت سے اتر گئے ہوں گے، تمہارے ساتھیوں نے کہا ہوگا کہ یہ فلان ٹیشن ہے، آخر ایک جگہ تم خود



اُتر پڑے ہو گے، اور اتنے تجربے سے سمجھ لیا ہوگا کہ ایشیئن سے مراد وہ جگہ ہوتی ہے جہاں کچھ دیر ریل ٹھرتی ہو یا پھر مسافر اترتے اور نئے سوار ہوتے ہیں، اب مطلق ایشیئن کا نام لیا جائیگا، تو شروع شروع میں اکثر اس پہلے ایشیئن کی تصویر تمہارے سامنے پھر جائیگی، جہاں تم دیر تک ٹھہرے سوار ہوئے، اور استلافات ذہنی کے قانون نے اس تصور کو ذہن میں زیادہ راسخ کر دیا ہے۔ بارہا ایسا بھی ہوگا کہ دوسرے، تیسرے اور چوتھے ایشیئن کی بجائے ایک دھندلی سی تصویر سامنے آجائیگی، لیکن ذہن ان جزئیات سے تشیل کا کام لیتا ہے، باقی احکام کلیہ کا تعلق ایشیئن کے اُسی معنی مرادی سے رکھتا ہے جہاں ریل رکتی اور مسافر چڑھتے اُترتے ہیں،

ایک بات اور یاد رکھنے والی ہو۔ تم ایک عجائب خانہ میں جاتے ہو، جہاں آدمی کا ایک مردہ بچہ رکھا ہوا ہے جسکے دوسرے ذہن میں دوسرے آدمی کا تصور نہیں ہوتا، اور اس غیر معمولی مشاہدہ سے تمکو بے انتہا حیرت ہوتی ہو، تاہم تم اُسکو ہاتھی، گھوڑے، شیر، بکری وغیرہ کے بجائے آدمی ہی کا بچہ سمجھتے ہو، ہوتا یہ ہے کہ تمہارے خزانہ ذہن میں سیکڑوں ہزاروں تصورات جزئی پہلے سے جمع ہیں، اب جب اس نئے تصور کا ان تصورات سے موازنہ کرتے ہو تو شیر، بکری وغیرہ کی نسبت زیادہ عمر، بکری وغیرہ کے تصور سے یہ زیادہ اقرب و اشبہ ہوتا ہے، اسلئے بے تامل اس دوسرے بچہ کو تم انسان کی صف میں داخل کر دیتے ہو۔ یہی حال ہر نئے تصور کا ہوتا ہے، کہ جس یکسانیت کی مدد سے، اُسکو تصورات موجودہ کے مختلف اصناف میں سے کسی ایک صنف کا فرد قرار دے لیتے ہو، جس یکسانیت اور عمل موازنہ و تخلیات کا اصلی سرچشمہ ہے، اب ہم اصل بحث کو اس درخواست پر ختم کرتے ہیں کہ ہمارے فیصلہ کے قسم و صحت کی جانچ کے لیے قارئین کو منطقی دلائل سے زیادہ، خود اپنے واردات ذہنی کا ذہنی مطالعہ کرنا چاہئے،

آخر میں اتنا کہنا اور باقی ہے کہ اس عہد جدید کے اساطین فلاسفہ نے الہیات سے زیادہ علمیات (پیشا لوجی) کے میدان میں اپنی قوتوں کی آزمائش کی ہے، خدا کی ہستی، علت اولیٰ کی حقیقت، مادہ اور روح کی ماہیت کے انکشاف، اور کائنات کی اسرار کشائی سے زیادہ اہم اور مقدم سوالات یہ خیال کئے گئے ہیں

۴۹  
وہ کیا شے ہے؟ وہ کیونکر حاصل ہوتا ہے؟ اسکی کہان تک رسائی ہے؟ کونسی چیز کس حیثیت سے اور کس حد تک جانی جاسکتی ہے؟ کینیٹ اپنی مشہور ترین کتاب "انتقاد عقل نظری" میں کہتا ہے کہ "الہیات کے مسائل میں پڑنے سے پہلے، ہم کو خود فہم انسانی اور اُسکے قومی کی تحقیق کرنا چاہئے،"

مجردات یا کلیات کی بحث بہ ظاہر لوگوں کو ایک فطری جھگڑا معلوم ہوگا، لیکن دراصل یہ علمیات کے اہم مسائل میں سے ہیں، البتہ بازارِ اردو میں جہاں لاکھ، برکے، ہوم اور کینیٹ ابھی رواج پذیر نہیں ہیں، اس متاع کا ارزان سے ارزان قیمت پر بھی کوئی گاہک ملنا مشکل ہے، اور جب اصل تلع کی ایک ہزار میں کوئی قیمت نہ ہو تو معارف کو ایک خشک علمی خدمت سے زیادہ صلہ دلالی کی امیند بانہ دھنچا ہے،

### عباری

لکھنؤ میں پریشا (جرمنی) میں پیدا ہوا، لکھنؤ میں مرا، اس کی مشہور تصانیف "انتقاد عقل نظری"، "انتقاد عقل عملی"، "انتقاد حکم" ہیں، جن میں سب زیادہ معرکہ الارا اول الذکر ہے، یہ اپنے فلسفہ کا نام "فلسفہ انتقادیت" رکھتا ہے، جس سے اسکی مراد وہ فلسفہ ہے، جو ادعاے علم سے پہلے خود ماہیت علم کی تنقید و تنقید کرتا ہے،

اس کا زمانہ تیسرے عشرہ تک ہے۔ وطن انگلستان (سامرٹ ٹائر)۔ اسنے اپنی سب سے بلند پایہ کتاب امتحان انسانی "میں کلیات پر نہایت طویل بحث کی ہے، اور تصورات کلیہ کا وجود ذہنی ثابت کرنے کے لیے شد و مد سے کوشش کی ہے، برکے نے اپنے مقدمہ میں اسی کو پیش نظر رکھا ہے، اس کا مخصوص نظریہ یہ ہے کہ انسان کا تمام علم حواس و خود شعور سے عقل میں قبل تجربہ جیسی کے موجود نہیں ہوتا، اُسنے اس پر بہت زور دیا ہے کہ فلسفہ کو ان مباحث سے ہمیشہ کے لیے دور رکھنی اختیار کر لینا چاہیے، جو انسان کی سمجھ سے بالاتر ہیں،

لکھنؤ اسکات لینڈ۔ زمانہ تیسرے عشرہ تک۔ اسکی فلسفیانہ زندگی کا وحید اور جلیل القدر کا زمانہ تحقیق فہم انسانی ہے، اپنے لیے مشکوک کا لقب پسند کرتا ہے، یہ کہ وہ خاتم الشکین ہے، اسکی کتاب تحقیق فہم انسانی "میں سب سے معرکہ کی بحث تفصیل سے ہے، اسکے نزدیک شہادت جس اور تجربہ کے علاوہ علت و معلول میں کوئی فی نفسہ لازم عقلی نہیں ہے۔



## موسسات تمدن کیا ہیں؟

دنیا میں آج کوئی لفظ تمدن سے زیادہ عام اور کثیر الاستعمال نہیں کسی قوم کا تمدن ہندوہ انسانی ارتقاء سے انسانی ہے جو کسی ہستی کو اس عالم امکان میں حاصل ہو سکتی ہے اور غیر تمدن ہونا ایک ایسا وصف ہے جس کے آگے ہر قسم کے ناگوار الزامات کو قبول کیا جاسکتا ہے، لیکن اسکو قبول کر لیا انسانیت ہوتی ہے۔

لیکن اس تہ میں جب یہ سوال کیا جائے کہ تمدن کیا چیز ہے؟ تو ایک عمدہ سوٹ اور آبادی دور ایک بنگلہ کے علاوہ تمدن کی مادی حقیقت کے واضح کر نیکے لئے کوئی اور چیز ضرور کار نہیں،

حقیقت تمدن کی بنیاد ہر قوم کے اخلاق، مذہب، جغرافیہ، اور ضروریات زندگی پر قائم ہوتی ہے جو بجائے خود مختلف ہوتی ہیں، اس بنا پر تمدن کی کوئی جامع و مانع تعریف نہیں کی جاسکتی تاہم

نتیجہ واستقرار سے ہر قوم کے تمدن میں جو قدر مشترک پیدا کیا جاسکتا ہے، وہ صرف یہ ہے کہ تمدن عمارت، زراعت، تجارت، دولت، مذہب، صنعت و حرفت، اور علوم و فنون کے مجموعہ کا

نام ہے، تمدن کے اجزاء جو ہری جو اسکی حقیقت میں داخل ہیں، صرف اسی قدر ہیں، اسکے علاوہ عام طرز معاشرت، آداب نشست و برخاست، طریقہ اکل و شرب، وضع و لباس،

غرض اس قسم کی تمام ظاہر فریب اور سطحی چیزیں تمدن کی حقیقت کا جز نہیں بلکہ اُس کے عوارض و نتائج ہیں، اور اسیلئے اُن میں عام طور پر اختلاف نظر آتا ہے،

آج اگرچہ یورپ کی انہی ظاہر فریب چیزوں نے تمام دنیا کو فریقہ کر لیا ہے، اور جو لوگ یورپ کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں وہ اپنے آپ کو اعلیٰ درجہ کا تمدن انسان سمجھتے ہیں

لیکن درحقیقت یہ ایک عظیم الشان فلسفیانہ غلطی ہے، یورپ کو تمدنی حیثیت سے ایشیا پر جو ترجیح حاصل ہے، وہ درحقیقت ان چیزوں کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ جو چیزیں تمدن کا جز لازمی ہیں

ان میں یورپ نے اس قدر ترقی حاصل کر لی ہے کہ قدیم تمدن انکے آگے بالکل ماند پڑ گیا ہے،

ہندوستان کو تمدن کا ایک عظیم الشان مرکز تسلیم کیا جاتا ہے، حالانکہ اگر سطحی چیزوں کو مدن کا اصلی جز تسلیم کر لیا جائے، تو قدیم زمانہ کے کسی ہندو کو تمدن قوموں کی صف میں مرتب ہونے کا حق حاصل نہ ہوگا، حالانکہ تاریخ نے اسکو مصر و یونان کے دوش بدوش نظر آکر دیا ہے،

## اصول تمدن

دنیا میں تمدن کا ظہور اگرچہ مختلف مظاہر و اشکال میں ہوتا ہے، تاہم جیسا کہ لیبان نے انقلاب لائیم میں تصریح کی ہے، اسکے مبادی و اصول کی تعداد نہایت قلیل

محدود ہوتی ہے، لیبان نے اسپر فلسفیانہ حیثیت سے بحث کی ہے، لیکن ہم کو اسپر تاریخی حیثیت سے نگاہ ڈالنی چاہئے،

ہر زمانہ میں تمدن کی بنیاد صرف دو اصول پر قائم ہوتی ہے، مذہب اور سیاست، مگر بلکہ یونان نے تمدن کا سنگ بنیاد بھی صرف مذہب کی سطح پر رکھا گیا تھا، لیکن

نئے تمدنی اجزاء پیش نظر کر لینے کے بعد یہ حقیقت نمایان طور پر واضح ہو جاتی ہے، روم کا تمدن اگرچہ مصر و یونان کے تمدن کی عکسی تصویر تھا

اور اسلئے اس میں مذہبی اصول کا عنصر شامل تھا، تاہم اسکو حقیقی ترقی نظام حکومت نے اس لحاظ سے سیاست کو اصلی مبدع خیال کرنا چاہئے، لیکن تمدن کی وسعت کے

بہر جب علوم و فنون کو ترقی ہوتی ہے، تو فلسفہ بھی تمدن کا ایک عمود بن جاتا ہے، لیکن تمدن کے عمل اولین درحقیقت صرف مذہب اور سیاست ہو سکتے ہیں،

## (مذہب)

ماہرین تمدن کے نزدیک اگرچہ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ مذہب تمدن کا موجب



یعنی اسکی علت فاعلی ہی، یا خود تمدن نے مذہب کو پیدا کیا ہی؟ تاہم اس سے کیوں انکار  
ہنیں کہ تمدنی ترقی میں مذہب کا بہت بڑا حصہ شامل ہی، یہی وجہ ہی کہ تمدن زار یورپ سے  
پہلے مشرق میں مذہب کے ساتھ ساتھ تمدن نے بھی نشوونما حاصل کی، مصر بالذات  
یا بالواسطہ روم اور یونان کے تمدن کا ماخذ ہے، اور مصر میں تمدن نے مذہب ہی کی آغوش میں  
پرورش پائی، خود یونان کے تمام فنون لطیفہ، معابد و حیاکل، نقش و نگار، موسیقی، رقص و سرود  
تھیٹر وغیرہ کی ترقی مذہبی خیالات سے ہوئی، اور روم کے فنون لطیفہ پر بھی انکا بہت بڑا اثر پڑا  
ہندوستان جن عمارتوں پر فخر کر سکتا ہی وہ ہی ہیں جن میں بتوں کی پرستش کی جاتی ہے، اور  
انکے مصرع بت نصب کئے جاتے ہیں، مسلمانوں نے اگرچہ عقیدہ توحید کی وجہ سے مصر یونان،  
اور ہندوستان کی طرح مصوری اور بت تراشی میں کمال پیدا نہیں کیا، تاہم انکے فنون لطیفہ کا  
مظہر صرف مذہب ہی ہے، چنانچہ مسلمان اپنے مساجد، و مقابر کو بہ ترجیح دنیا کی تمام  
عبادت گاہوں کے مقابل میں پیش کر سکتے ہیں، اس بنا پر تمدن کا سب سے زیادہ نمایاں اور دلچسپ  
حصہ تمام دنیا میں مذہب ہی کی بدولت وجود میں آیا ہے۔

مذہب کے ذریعہ سے ایک طرف تو بہت سے تمدنی عناصر پیدا ہو جاتے ہیں دوسری  
طرف مذہب ہی کے ذریعہ سے انکی اشاعت بھی ہوتی ہی، کوئی مذہب اگر عالمگیر اور داعی  
مذہب ہی، تو وہ تمام دنیا کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر نیکے لئے اٹھتا ہی، اور دنیا کو کبھی تو  
خود تمدنی سبقت پڑاتا ہی، اور کبھی خود کچھ سیکھ کے آتا ہی، مسلمانوں نے اسلام کی اسی  
عالمگیری کی بدولت تمام دنیا میں اپنے تمدن کی اشاعت کی، اور دنیا کے تمام تمدنی  
خرانوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا،

یہ عموماً تسلیم کیا جاتا ہی کہ یورپ کی تمدنی ترقی کی ابتدا جنگ صلیبی کے بعد سے ہوئی

اور یہ ہی زمانہ ہی، جس میں تمام یورپ اسلام کی عالمگیر مذہبی طاقت سے ٹکرا گیا تھا، اور اگرچہ  
اس ٹکرائیم میں عیسائی تعصب کا ٹھوس پتھر چکنا چور ہو گیا، تاہم چٹاق کے احتکاک سے جو شرارہ  
اُڑا، اصلی روشنی میں یورپ نے جو کچھ دیکھا وہ مسلمانوں کے تمدن کی جلوہ آرائیاں تھیں، یہی  
تمدنی منظر کا اثر تھا، جس نے یورپ کو اُس عہد ظلمت سے نکالا، جس میں اُسکو خود اپنے بدنما چہرہ کے  
خط وخال نظر نہیں آتے تھے، اس بنا پر آج اگرچہ یورپ کا تمدن مذہب کے قیود سے بالکل  
ہزا ہوا ہو گیا ہی، تاہم اُس کا سنگ بنیاد مذہب ہی نے رکھا ہی، لیکن اسکے ساتھ اس نکتہ کو  
بھی پیش نظر رکھنا چاہئے، کہ کوئی متعصب، جامد، ٹھوس، اور غیر داعی مذہب نہ اپنے تمدن کی  
اشاعت کر سکتا، اور نہ خود دوسرے تمدن سے متاثر ہو سکتا، ہندوؤں کے قدیم تمدن کو اگرچہ  
انکی مذہبی عزت گزینی نے تمام دنیا کے اثر سے محفوظ رکھا، تاہم وہ دنیا کے کسی تمدن پر اثر بھی  
نہ ڈال سکے،

لیکن اس حیثیت سے سب سے زیادہ بد قسمت قوم یہودی کی ہی، یہ بد بخت قوم مذہبی تاج  
و تخت کی قدیم دار تھ ہی، اس لحاظ سے اسکو دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ متمدن و مہذب  
ہونا چاہئے، با این ہمہ آج دنیا کی بت پرست قومیں بھی اپنے تمدنی مظاہر و آثار کو منظر عام پر  
نمایاں کر سکتی ہیں، لیکن یہودیوں نے کوہ طور پر برق جمال کی جو چمک دیکھی تھی اُسکا جلوہ کہیں  
نظر نہیں آتا، اسکی وجہ صرف یہ ہی کہ ایک طرف تو مذہبی غور و تعصب اُس نے دوسری  
قوموں کی خوشہ چینی گوارا نہیں کی، دوسری طرف انکے اجداد اور روساے مذہب نے اپنے ذاتی  
مغراض کی بنا پر انکو اس قدر جاہل رکھا کہ وہ خود کسی قسم کی تمدنی ایجاد نہ کر سکے

اسوقت دنیا میں صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہی، جس نے خود تمدنی عناصر کو  
پیدا کیا، انکو نشوونما دی، اپنے تمدن کو پھیلایا، اور غیر قوموں کے بہترین خزانوں کو اپنے



جیب و دامن میں جگہ دی، اس بنا پر اگر قدیم زمانہ میں سیاسی حیثیت سے روم تمام دنیا کے تمدن کا مرقع تھا، تو آج اسلام تمام دنیا کی تہذیب کا مظہر ہے،

### (سیاست)

تمدنی عناصر کی تولید، اور ان کے نشر و اشاعت میں اگر کوئی چیز مذہب کے دوش بوش کھڑی ہو سکتی ہے تو وہ سیاست ہے، بلکہ اسکو تمدن کی ایجاد و نشوونما میں ایک حیثیت سے مذہب پر بھی ترجیح حاصل ہے، مذہب صرف اپنے عروج کے زمانہ میں تمدن کو ترقی دیتا ہے، لیکن سیاست اپنے ترقی و تنزل دونوں دور میں تمدن کو نشوونما دیتی ہے، سیاست کے دور ترقی میں سیاسی ضرورتوں سے نئی نئی عمارتیں تعمیر ہوتی ہیں، نئے نئے دفتر قائم ہوتے ہیں، نئے نئے آلے ایجاد ہوتے ہیں، نئے نئے لوگ اپنی قابلیت کا اظہار کرتے ہیں، زراعت، تجارت، صنعت و حرفت، غرض تمام چیزوں کو ترقی ہوتی ہے، دولت جو تمدن کا قوام و مادہ ہے، اسکی ترقی سیاست ہی کے بدولت ہوتی ہے، اسلئے اسکے ذریعہ سے دفعۃً تمام تمدنی عناصر عالم وجود میں آجاتے ہیں،

قدیم تمدن کی یادگاروں میں آج جو عظیم الشان عمارتیں باقی رہ گئی ہیں اور جنکو عوام غیر معمولی انسانوں یا مافوق الفطرت ہستیوں کی طرف منسوب کرتے ہیں، وہ درحقیقت دولت ہی کی کثرت کا نتیجہ ہیں، لیکن جب دولت کی یہ کثرت قوم کو عیش پرستی کی طرف مائل کر دیتی ہے وہ سرست بادۂ نشاط و طرب ہو جاتی ہے، تمام ملک اس سرے سے اس سرے تک رنگین مزاج ہو جاتا ہے، تو حقیقی سیاسی ترقیان رک جاتی ہیں، عدالتوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، علوم و فنون کی کساد بازاری ہو جاتی ہے، مفید ایجادات و اختراعات کا سلسلہ رک جاتا ہے، زراعت برباد ہو جاتی ہے، تجارت کا بازار سرد ہو جاتا ہے، غرض وہ تمام کام زوال پذیر ہو جاتے ہیں

جن میں عزم و استقلال اور قوت امدادی کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن اس حالت میں بھی تمدنی ترقی کا خاتمہ نہیں ہوتا، اب تمدن کی صبح کا ذب نمودار ہوتی ہے، اور ایجادات و اختراعات کا لوح دوسری چیزوں کی طرف پھر جاتا ہے، عیش و نشاط کے سیکڑوں سامان مہیا ہو جاتے ہیں، تراش و خراش میں نئی نئی جدتیں پیدا ہو جاتی ہیں، رنگین مزاجیوں کی بہار آجاتی ہے، ہر گلی ہر کوچہ عطر بیز ہو جاتا ہے، قدیم تمدنی سرمایہ میں اگرچہ اب کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا، تاہم اسکی یادگارین قائم رہتی ہیں، اسلئے ان پر جب ان چیزوں کا رنگ چڑھتا ہے تو مادہ و صورت اور جوہر و عرض کا یہ مجموعہ ایک نیا عالم پیدا کر دیتا ہے، اس حالت میں اگرچہ ایک فلسفی تمدنی ترقی سے بالکل بایوس ہو جاتا ہے تاہم ایک ظاہر بین سیاح کی ذوق نظر کیلئے اسے بڑھکرا اور کیا سامان ہو سکتا ہے؟

سیاست صرف تمدنی عناصر کو پیدا ہی نہیں کرتی، بلکہ وہ تمام دنیا میں اسکی اشاعت بھی کرتی ہے، ایک ترقی یافتہ نظام سیاست کیلئے جنگ ایک لازمی چیز ہے، جنگ کو اگرچہ زمانہ وحشت کی یادگار خیال کیا جاتا ہے، لیکن درحقیقت وہ تمدنی ترقی، اور تمدنی نشوونما کا بال و پر ہے، یونان کا قدیم تمدن وہاں کے فلاسفوں کا ذرہ بھر بھی مرہون منت نہیں اسکو مذہب نے پیدا کیا، اور سیاست نے اسکی اشاعت کی، سکندر کی فتوحات کو دلیا کیلئے ایک سیلاب عظیم خیال کیا جاتا ہے، لیکن درحقیقت یہی سیلاب تھا جسکی رومین یونان کا تمدن تمام مشرق میں پھیل گیا،

جنگ صلیبی دنیا کیلئے عرصے بڑی مصیبت تھی، لیکن اسی مصیبت کے زمانہ میں یورپ مسلمانوں سے تمدن کا پہلا سبق پڑھا، مسلمانوں نے چار دانگ عالم میں اپنے تمدن کی اشاعت و فتوحات ہی کے ذریعہ سے کی، آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں یورپ کا تمدن ساری ہے لیکن کس طرح؟



# اخلاق نبوی کا ایک عظیم الشان منظر

یعنی  
محدثین کرام کے فضائل اخلاق

(۲)

جرات و آزادی | مذہب، علم، اخلاق اور سیاست کی بربادی کی تاریخ اگر مرتب کی جائے تو اس کا اصلی سبب علماء کی ملامت قرار پائیگی، لیکن محدثین کرام کی غیر متزلزل اخلاقی جرات نے ہمیشہ ان چیزوں کی محافظت کی، ایشیا میں امرار و سلاطین کا گردہ نہایت مطلق العنان خیال کیا گیا ہے لیکن محدثین کرام نے ہر موقع پر اس گردہ کی بے اعتدالیوں پر روک ٹوک کی، اور وقت و اقتدار کا خوف، اور جاہ و مال کا اثر ان کو اس سے نہ روک سکا، ایک بار امین نے کوئی ایسا فقرہ کہہ دیا جس سے یہ ظاہر معلوم ہوتا تھا کہ وہ خلقِ قرآن کا قائل ہے، حافظ اسماعیل بن علیہ کو خبر ہوئی تو اس کے دربار میں پہنچے، اس کو برا بھلا کہا، اور اس پر حملہ کرنا چاہا نتیجہ یہ ہوا کہ امین نے اس غلطی پر توبہ کی۔

ایک بار امام سفیان ثوری، ہمدی کے پاس گئے، اور کہا کہ عمر نے اپنے حج میں صرف بلہ درہم صرف کئے تھے، اور تمہارا جو حال ہے وہ سب کو معلوم ہے، ہمدی نہایت برہم ہوا دیکھا کہ آپ چاہتے ہیں کہ میں بھی آپ کی طرح ہو جاؤں، بولے، اگر تم میری طرح ہونا پسند نہیں کرتے تو کم از کم موجودہ حالت میں تو کی کر سکتے ہو۔

امام محمد بن نووی کا عام دستور یہ تھا کہ ہمیشہ بادشاہوں کے ظلم و عدوان پر روک ٹوک کرتے رہتے تھے، اور خط کتابت کے ذریعہ سے ان کو ہمالی طرف توجہ دلا دیتے تھے،

۱۔ طبقات المحققین جلد ۱ صفحہ ۲۹۵ ۲۔ ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۰۵

ایک بار شام کے لوگ تخط کی وجہ سے سخت مصیبت میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے بادشاہ وقت بدرالدین کو اس کی طرف توجہ دلائی، انھوں نے والہ الدین میں سلطان ظاہر پر اس کثرت سے وارڈ گیری کی کہ خود وہ کہا کرتا تھا کہ میں اُسے سخت گھبراتا ہوں۔

امام عبد الغنی بن واحد نے اپنی زندگی کا مقصد صرف امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو قرار دیا تھا، اور اس مذہبی خدمت کے انجام دینے میں سخت سے سخت خطرات کو برداشت کرتے تھے، ایک بار انھوں نے ایک شخص کی شراب زمین پر گرا دی، اُس نے فوراً تلوار کینچ لی، لیکن وہ بالکل ہنسنے لگا، اور جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی، ایک بار شاہی حکم سے باجاج رہا تھا، انھوں نے دیکھا تو سب کو ٹوڑ پھوڑ دلا، قاضی کو خبر ہوئی تو اُس نے بلوایا کہ اگر ان چیزوں کے متعلق مناظرہ کر لیں، بولے، یہ باجے قطعاً حرام ہیں، میں خود نہ جاؤنگا، اگر قاضی کو ضرورت ہو تو خود آئے، چیراسی دوبارہ آیا، اور کہا کہ آپ نے شاہی باجے کو بیکار کر دیا ہے، آپ کو ضرور چلنا پڑیگا، بولے، خدا بادشاہ اور قاضی دونوں کی گردن مارے، بالآخر چیراسی واپس گیا اور پھر پلٹ کر نہ آیا۔

یہ آزادی محدثین کی عام امتیازی خصوصیت خیال کی جاتی تھی، اس لیے اگر اس گردہ میں کوئی شخص اس اخلاقی روش سے ہٹ جاتا تھا تو اس کے لئے یہ نہایت سنگ و عار کا موجب سمجھا جاتا تھا، علامہ ذہبی حافظ ابو بکر محمد شیبلی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں،

انھوں نے بادشاہوں کا دامن پکڑا اور تمام علماء تعلق باذیال الملک و المعجری العلماء فی مجاہدہ السلاطین کی طرح بادشاہوں کی آزادانہ روک ٹوک نہیں کی بلکہ ملامت سے کام لیا،

وحریمہ بل داہن

۱۔ طبقات المحققین جلد ۱ صفحہ ۲۹۵ ۲۔ ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۰۵



لیکن محدثین میں یہ اخلاقی جرأت صرف زہد و قناعت نے پیدا کی تھی، اور اگرچہ چچا پرکاش نے قبضہ میں عقبہ نے دامن میں ردی کا ایک ٹکڑا رکھ کر کہا تھا کہ جو اس پر قانع ہو اس کو بادشاہ کے لئے کی کیا پروا ہو سکتی ہے؟

سادہ زندگی | لیکن اس بے نیازی کا اصلی سبب یہ تھا کہ محدثین کرام اس قدر سادہ زندگی بسر کرتے تھے کہ ان کو امر و سلاطین کی فیا ضیوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی تھی، امام نودی کو ان کے والد کی طرف سے انجیر اور روٹی ملتی تھی، اور وہ اسی پر اپنا گذر اوقات کرتے تھے، اسکے علاوہ تمام مزخرفات دنیوی سے قطع تعلق کر لیا تھا، نہ حمام میں جاتے تھے، نہ کسی قسم کا بیوہ کھاتے تھے نہ عمدہ لباس پہنتے تھے، ان کے لئے موٹا جھوٹا کپڑا کافی تھا، اور اس میں بھی پیوند لگے رہتے تھے، یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ محدثین کرام نے یہ طرز زندگی مجبورانہ طور پر اختیار کیا تھا بعض محدثین نہایت دولت مند تھے، لیکن با این ہمہ انھوں نے محدثین کی اس عام روش کو قائم رکھا، علامہ ذہبی امام محمد بن عبد اللہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں،

وروح الی الجمعة وقميصه مرقوع اور جمعہ میں پیوند لٹکا ہوا کرتے ہیں کرگئے اور اگر وہ چاہتے ہوں شہاء ان یلبس ارفع ما یكون لانه کان عندہ من المال امر کثیر کثرت سے مال تھا،

حافظ عبد الغنی اس قدر متول اور فیاض تھے کہ راتوں کو لوگوں کے مکان پر چینیہ طور پر آٹے کی بوریاں رکھ آتے تھے، لیکن با این ہمہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے،

محدثین کا اثر | لیکن با این ہمہ فقر و فاقہ و نیاے اسلام پر محدثین کا یہ اثر تھا کہ ان کے مسائے بڑے سے بڑے جبارہ کی گردنیں جھک جاتی تھیں، اور اگرچہ چچا پرکاش کہ سلطان ظاہر ایک محدث کی نسبت

کہا کرتا تھا کہ میں ان سے گھبراتا ہوں، مامون الرشید مسئلہ خلق قرآن کا قائل تھا، اور اس کی اشد کراہت تھا، لیکن اس کو یزید بن ہارون کا خوف اس کی اجازت نہیں دیتا تھا، وہ خود کہا کرتا تھا کہ یزید بن ہارون نہوتے تو میں اس عقیدہ کا علانیہ اظہار کرتا، لوگوں نے کہا، یزید کون شخص ہے جس سے آپ ڈرتے ہیں، بولا، اگر میں اس کا اعلان کروں تو وہ اس کی تردید کریگے، اور ایک قفسہ عظیم اٹھ کھڑا ہوگا،

ایکبار امام مالک خلیفہ ابو جعفر کے بیان تشریف لیگے، دیکھا کہ ایک لڑکا آکر واپس جاتا ہے جعفر نے کہا، آپ جانتے ہیں یہ کون ہے؟ یہ میرا لڑکا ہی، لیکن آپ کے خوف سے آنے کی جرأت نہیں کر سکتا،

قوم پر یہ اثر تھا کہ لوگ محدثین کرام کی آستان بوسی کو اپنے لئے مایہ عز و افتخار سمجھتے تھے، ابو جعفر بیان ہے کہ میں ایکبار ابوسعید بن جنادی کے دروازہ پر دیر تک کھڑا رہا، وہ نکلے تو معذرت کی کہ میں اگر اتنی دیر تک کھڑا رہا، انھوں نے کہا کہ محدثین کے دروازہ پر کھڑا رہنا عزت ہے،

عزت و شہرت کا آخری مرکز سلطنت ہے، لیکن اس معاملہ میں صرف محدثین ہی کا دیرپا فقر تحت شاہی کا مقابلہ کر سکتا تھا، عبد الرحمن بن واقد کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ میں باکر امام مالک کے دوست کو دیکھا تو معلوم ہوا تھا کہ کسی امیر کا دروازہ ہے،

حافظ عبد الغنی گھر سے نکلتے تھے تو لوگ بازاروں میں صف بستہ کھڑے ہو کر ان کی زیارت شرف ہوتے تھے، مصر میں جمعہ کے لئے گھر سے روانہ ہوتے تھے تو راستہ میں لوگوں کا اس قدر ہجوم

ہوتا تھا کہ ان کے ساتھ چلنا دشوار ہوجاتا تھا، محمود بن سلامہ الحارثی کا بیان ہے کہ اصفہان کے لوگوں کا یہ اثر تھا کہ اگر وہ وہاں کے بادشاہ ہونا چاہتے تو نہایت آسانی کے ساتھ ہو سکتے تھے،











# بالتفیظ والاعتقاد

## دیوان حسرت

(۲)  
از مولانا عبد السلام ندوی

سن کلام | خاص خاص عنوانات کے تحت میں ہم حسرت کے محاسن شاعری کو نمایان کر چکے، لیکن یہ ایک دریا ہے جس کی لہر دن کو گناہیں جاسکتا، محاسن کلام کے غیر محدود و طرق ہیں، اور ان سب کے لئے عنوانات کا قائم کرنا از بس مشکل ہو کر

بسیار شہوہاست بتان را کہ نام نیست

اس لیے ہم حسرت کے محاسن شاعری پر ایک عام ریویو کرتے ہیں، کلام میں کبھی حسن محض ایک محدود فقرے سے پیدا ہوتا ہے بشرطیکہ ذہن اس کی طرف آسانی سے منتقل ہو سکے، حسرت کے کلام میں اس کی متعدد عمدہ مثالیں ملتی ہیں مثلاً وہ پہلے تو تسلیم کر لیتا ہے کہ اب میرے دل کا وجود ہی نہیں لیکن اس جملے کو حذف کر کے کہتا ہے،

دل مضطر کو ڈھونڈھو اس گلی میں وہیں ہو گا کہیں موجود اگر ہے

وہ معشوق کو نور شوق میں چھیرتا ہے، اس لیے وہ شرماتا ہے، جھنجھلاتا ہے، لیکن وہ اس کا انکار نہیں کرتا کہ یہ شرمنا اور جھنجھلانا چھیرنے کا نتیجہ ہے، بلکہ صرف اس قدر کہتا ہے،

میاں تھارے بکھرا اضطراب شوق شرم کے وہ کبھی کبھی جھنجھلا کے رہ گئے

معشوق کو ہزار بھجایا لیکن وہ نہ سمجھا کہ کرم کو کہتے ہیں، عاشق نے ہزار ظلم اٹھائے لیکن لب شکایت سے آشنا نہ ہوئے، حسرت اس کو بالکل مخفی رکھتا ہے اور کہتا ہے،

تم یہ پھر بھی تو نہ سمجھے کہ کرم ہو کیا شے ہنر پھر بھی تو نہ جانا کہ شکایت کیا ہے

باشن پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اُس نے معشوق کو دیکھا، وہ اس الزام کو مخفی رکھتا ہے، اور صرف جواب پر قناعت کرتا ہے،

دو نور حسن سے ٹھہری بھی ہو جب اپنے نگاہ یہ مجھ پیفت کی تمت لگائی جاتی ہے  
شعربین کبھی کبھی حسن صرف ایک لفظ سے پیدا ہوتا ہے، اور حسرت کے کلام میں اس قسم کے محدود الفاظ ملتے ہیں مثلاً

اللہ سے حسن یار کی خوبی کہ خود بخود رنگینوں میں ڈوب گیا پیر میں تمام

رشن جمال یار سے ہر انجمن تمام دھکا ہوا ہے آتش گل ہی میں تمام

کیا کیجئے بیان اُس تن نازک کی حقیقت خوشبو میں ہر گل بو تو لطافت میں ہر رنگ

ن اشعار کا لطف صرف "ڈوب گیا" "دھکا" "گل" "سب" میں ہے

بعض اوقات اس قسم کے الفاظ جب دلیل کا کام دیتے ہیں تو شریکی لطافت اور بھی بڑھ جاتی ہیں مثلاً

بھولی نہیں دلو تری دزدیدہ نگاہی پہلو میں ہر کچھ کچھ خلش تیرا بھی نک

اس دعویٰ کو صرف "کچھ کچھ" کے لفظ نے ثابت کیا ہے،

بعض اوقات واقعہ کی تصویر اس قدر مکمل کھینچ جاتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سچ ہمارے

ہم نے پیش آیا تھا، اس لیے اس واقعہ کا دل پر خاص اثر پڑتا ہے مثلاً کبھی کبھی انسان کسی جرم کا

نکاب کرتا ہے، راز فاش ہو جاتا ہے تو اقرار اور انکار دونوں نہیں کر سکتا، مذمت کی حالت میں

من قسم کھا کر رہ جاتا ہے، حسرت اس واقعہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتا ہے

لو کا جو بزم غیر سے آتے ہوئے نہیں کہتے بنانہ کچھ وہ قسم کھا کے رہ گئے

کبھی اس قسم کے موقعوں پر آدمی بات بنانا چاہتا ہے لیکن بات بھی نہیں بنائی جاتی،

پڑی تھی بزم رقیبان میں ایسی کیا افتاد کہ بات بھی نہیں تہے بنائی جاتی ہے



مشتوق عاشق کے پاس نہایت شرم و حیا کے ساتھ آتا ہے اسکی تصویر حسرت طبع کھینچتا ہے  
کہ گویا کوئی مشتوق اس شان سے خود ہمارے سامنے آتا ہے،

چادرین چھپے ہوئے حیا سے کیا کئے وہ آئے کس اداسے

مشتوق دفتہ عاشق کا سرمایہ صبر و قرار اڑا لیجاتا ہے اور وہ ہکا بکا ہو کر رہ جاتا حسرت  
اسکی تصویر یوں کھینچتا ہے،

چل بھی دیے وہ چھپن کے صبر و قرار دل ہم سوچتے ہی رہ گئے یہ ماجرا ہر کیا

کبھی کبھی صند پر اسلٹے کا اطلاق کرنے سے کلام میں خوبی پیدا ہوتی ہے مثلاً مشتوق چادرین  
تھا کہ اسکی ادائیں عاشق نہ دیکھ سکے اسلئے وہ چھپ گیا، اب عاشق خود اس پھنے کو ایک اور  
قرار دیتا ہے اور اس سے سرور ہوتا ہے،

چھپے وہ مجھ سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی وہ چاہتے تھے نہ کیے کوئی ادائیری

حامی باوجود ان گوناگون خوبیوں کے حسرت کا کلام لغزشوں سے خالی نہیں مثلاً

جذب دل کی اسے سمجھے نہ کرامات کوئی ان کو لائی ہو یہاں فضل خدا کی تاثیر

فضل خدا کی تاثیر بالکل محاورہ کے خلاف ہے، صرف یہ بولا جاتا ہے کہ فلان کام فضل خدا ہوگا

نظارہ وہ گولا لاکھ مجھ سے خفا ہوں مگر دل ہی دل میں محبت دی ہے

اس میں گوا اور لاکھ دونوں میں ایک زائد ہے،

ایک حائل ہو وصل میں بھی پہاڑ پردہ شرم درمیانی کا

اس قسم کے موقعوں پر صرف دیوار حائل ہونا بولتے ہیں، پہاڑ حائل ہونا کوئی محاورہ نہیں  
جلال مرجم کہتے ہیں،

ہر آن مکر ہونہ تم محفل میں آئیٹھے جو ہم

اٹھ گئی دیوار دیکھو سنا جاتا رہا

کمان سے آئی خدا جانے زلفیاری کی بو کچھ اتیا ز نسیم و شمال ہونہ سکا  
نہال اتر کی ہوا کو کہتے ہیں اور نسیم کو کسی جہت سے کوئی تعلق نہیں اسلئے دونوں میں کوئی

تفاوت ہے نہ مقابلہ، عربی میں صبا بے شبہ پورب کی ہوا کو کہتے ہیں لیکن اردو اور فارسی میں  
جگ کی ہوا پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اس میں کسی جہت کی قید نہیں، عجب نہیں کہ "نسیم" کے  
جائے "بہن" ہو، چونکہ تصحیح حسرت خود نہ کر سکا، غلطیان رہ گئیں،

عاشقی اس کی معسرت نہ ہوئی جو ترا بندہ نظر نہ ہوا

بندہ نظر ایک بے معنی ترکیب ہے، اور اگر صحیح بھی ہو تو بندہ نظر ہونے سے عاشقی کیون متبر ہوگی؟  
اس کا شعر میں کوئی ثبوت نہیں،

مرٹے ہم کہ دین وہ داد وفا اور جو اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا

مرٹے بے صیغہ ماضی صحیح نہیں، یوں کہنا چاہئے کہ ہم تو داد و وفا لینے کے لیے مرٹیں، لیکن اگر  
اس کا بھی اثر نہ ہوا، غالباً اصل مسودہ میں "مرٹیں" ہوگا،

آہ اس التفات ناز کی یاد وہ جو پھر بارہ دگر نہ ہوا،

بارہ دگر صحیح نہیں، بارہ دگر کہنا چاہئے، فارسی میں یکبارہ مستعمل ہے لیکن وہ ایک مستقل لفظ  
نہ لیا ہے جس کے معنی دفعۃً کے ہیں،

سرین وقف طرب ہیں آرزو و محو سرور بخت نے کھولا ہر روے شوق پر باب نشاط  
آرزو میں ہونا چاہیے، کہ توازن ہو جائے،

قید کا لطف نہیں فرحت آزادی میں

زنت آزادی اچھی ترکیب نہیں،

دُش ہو اس رُخ گلگون سے بس اتنی میری لکھ لیا جائے مر نام بھی حیرانوں میں



حیرانی کے لیے رخ مصفا، رخ سادہ، رخ شفاف موزون تھا، کہ آئینہ سے مشابہت پیدا ہو جائے  
گلگون کو حیرانی سے کوئی مناسبت نہیں،

مین ہون اسے زلف سیہ تیرے پرستانوں میں

پرستانوں، غلط ہے، پرستانوں صحیح ہے، چونکہ یہ دوسرا مصرعہ ہی اس لیے طبع کی غلطی نہیں کی جا سکتی،  
اب ہم حسرت کے چند عمدہ اشعار بنا کر رخصت ہوتے ہیں،

گر جوش آرزو کی ہیں کیفیتیں ہی مین بھول جاؤنگا کہ مراد عا ہی کیا،

سناتے ہیں انہیں افسانہ قیس بہانے ہیں یہ عرض مدعا کے

لطف پر ختم ستم کرتے ہیں کرنے پاتا نہیں شکو اکوئی

اتک در قبول سے نالے پھرے نہیں کیا جانے کہ ہو کے پشیمان کدھر گے

ہر گھڑی شیخ کو ہے نکر ثواب یہ بھی اک طرح کا عذاب ہوا

شب وصال شب ماہ گر نہیں تو نہو اک آفتاب تر ہے مابتا کے بدلے

بلاے جان ہیں شہیدوں کو تیرے چور و قسور یہ کیا عذاب ملا ہو ثواب کے بدلے

فریب سب ہیں یہ آغاز عشق کے حشر وہ لین گے اس کرم جیاب کے بدلے

حسن سے اپنے وہ غافل تھا اپنے عشق سے اب کہاں لاؤن وہ ناواقفیت کے مزے

صحتیں لاکھوں مری بیماری غم پر نثار جیون لٹے بارہا انکی عیادت کے مزے

دیکھ لے تم جانان یہ نقش محبت ہیں بنتے ہیں بد دشواری مٹتے ہیں کہسانی

تھا حجاب انکامری حیرت سے سرگرم کلام تھی بظاہر خاموشی در پردہ خاموشی نہ تھی

افسانہ مصائب ہجران تھا وہ خمیر غمخوار کو بھی میرے سر غمگسار ہے

# آثار علیہ السلام

نامہ حالی

بنام مولانا بشلی مرحوم

مولانا! دستہ گل بچنچا، مین نے اس مجموعہ کا نام تو احسن اللہ خان شاقب سے جو ابھی میرے

ہاں مہمان رہ کر گئے ہیں، سنا تھا اور مجھے یاد پڑتا ہی کہ لاہوری پانی پت مین مین نے اسکے ننگوانے

کو بھی لاہورین سے کہہ دیا تھا، مگر اب تک دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا، اب جو آپ نے عنایت فرمایا

تو اول سے آخر تک اسکو دیکھا، کوئی کیونکر مان سکتا ہی کہ یہ اس شخص کا کلام ہے جس نے

سیرۃ النعمان، الفاروق اور سوانح عمری مولانا روم جیسی مقدس کتابیں لکھی ہیں، غزلیں کا ہیکل

ہیں شراب و دانتشہ ہے، جسکے نشہ میں خمار چشم ساتی بھی بلا ہوا ہے، غزلیات حافظ کا جو حصہ

محض رندی و بیباکی کے مضامین پر مشتمل ہے، ممکن ہی کہ اسکے الفاظ میں زیادہ دلربائی ہو مگر

خیالات کے لحاظ سے تو یہ غزلیں اس سے بہت زیادہ گرم ہیں،

»دل برون درین رخت تر عیب سالک را خجل ستم نہ کفر خود کہ دارد بوسے ایمان ہم

شاید لوگ تعجب کریں کہ اس شعر میں وجد کرنے کی کو کسی بات ہی، مگر اس شعر سے ہر

شخص لطف نہیں اٹھا سکتا الا اللہ ابلی بعتل ما ابتلی بہ القائل

سیر ارادہ تھا کہ اپنا فارسی کلام نظم و نثر جو کچھ ہی اسکو بھی چھپو کر شائع کر دوں، مگر وہ کل

دیکھنے کے بعد میری غزلیں خود میری نظر سے گر گئیں، ولیس فی ذلک مشابہت من التصنع

آپ کے اکثر علیل رہنے کا سخت افسوس ہوا، خدا تعالیٰ صحت کامل عنایت کرے،  
اور بہت دن تک زندہ و سلامت رکھے، والسلام خیر ختام، جسکے



# ایسی

خواجہ میر درد دہلوی کے بھائی میر اثر دہلوی کا کلام

مثنوی خواب و خیال جسکا ذکر شذرات میں گذر چکا ہے، میر اثر نے جا بجا اس میں اپنی غزلیں بھی لکھی ہیں، صفائی ردائی، اور سادگی خیال دیکھئے، انکا کلام کبھی چھپا نہیں،

نہ لگا، لیکن جہان دل کو آہ لے جائے کہاں دل کو  
مجھے لے تو چلے ہو دیکھو، پر توڑیو مت کہیں میان دل کو  
آزما اور جس میں چاہے تو صبر میں کر نہ امتحان دل کو  
یوں تو کیا بات ہی تری لیکن وہ نہ نکلا جو تھا گمان دل کو  
رکھ نہ اب تو دریغ نیم نگہ یار مت دیکھ نیم جان دل کو  
آہ کیا کیجے یاں بنایا ہے دل گرفتہ ہی غنچہ سان دل کو  
مرگیا، پس گیا نہ کی پر آہ آفرین ایسے بے زبان دل کو  
دشمنی تو ہی اُس سے کرتا ہو دوست رکھتا ہی کجہان دل کو  
آزما نا کہیں نہ سختی سے دیکھو، میرے ناتوان دل کو  
تو بھی جی میں اُسے جگہ دیجو منزلت تھی اثر کے بان دل کو

(۲)

منقل تیغ یار کے ہاتھوں مر گئے انتظار کے ہاتھوں  
جان سے ہم تو ہاتھ دھو بیٹھ اس دل بیکرار کے ہاتھوں  
شعلہ سان ایک دم قرار نہیں دل کے اب انتظار کے ہاتھوں

رو برو دیکھنا محال ہوا دیدہ اشکبار کے ہاتھوں  
کام اپنا اثر تمام ہوا اس دل نابکار کے ہاتھوں

(۳)

دیکھو دل کو پیچ و تاب کے پیچ آپر مفت میں غذا کے پیچ  
کون رہتا ہی تیرے غم کے سوا اس ل خانمان خراب کے پیچ  
تیرے آتش زدوں نے مثل شرار عمر کاٹی ہے اضطراب کے پیچ  
شمع فنا لوس میں نہ جبکہ چھپے کب چھپے ہی یہ رخ نقاب کے پیچ  
کیا کہوں تجھے میں اثر کہ اسے کس طرح دیکھتا ہوں خواب کے پیچ

(۴)

لوگ کہتے ہیں یار آتا ہے کب مجھے اعتبار آتا ہے  
دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا دشمنی پر تو پسار آتا ہے  
تیرے کوچہ میں بقیہ راز تیرا ہر گھڑی بار بار آتا ہے  
زیر دیوار تو سنے نہ سنے نام تیرا پکا ر آتا ہے  
حال اپنے پہ بھکوا آپ اثر رحم بے اختیار آتا ہے

(۵)

نہ کیا کچھ علاج آگوسے جا چکا دل ہی اتبوقا بوسے  
دل ہی یہ یا کوئی چملا وہ ہی نکلے پڑتا ہے آہ پہلو سے  
تیرے فریاد یوں کی یاں شرب زہن لگتی زبان تالو سے  
حرف نکلا نہ اس دہن کبھو کام نکلے ہی چشم و ابرو سے



اثر اس چشم شوخ فتان کے نہ بچا کوئی سحر و جادو سے

(۶)

تیرے کوچہ میں آکے جو بیٹھے  
گوشتیں ہم بزرگ نقش قدم  
سب کا آوے نظر ثبات و قرار  
روز اول ہی جاچکا تھا دل  
اپنی قسمت ہی اُٹھی ہے شاید  
اٹھ گیا دل تو ساری باتوں سے  
حال اپنا کسوت کیا کھٹے  
ہنشین اٹھو میرے پاس تم  
اٹھے جاتے ہیں یاں جون شغلہ  
اپنی آنکھوں کی طرح رورو کے  
ہمد و پیمان پہ انتظار میں یاں  
اٹھ گیا سب جہاں قول و قرار  
قطع سر سے کرے در راہ عشق  
اب اثر میں بہت نہیں باقی  
جان سے اپنے ہاتھ دھو بیٹھے  
پر ترے در پہ آج تو بیٹھے  
گرا بھی تو دو چار ہو بیٹھے  
آخرب جان کو بھی رو بیٹھے  
تیرے در پر اب آکے جو بیٹھے  
ناصحو چاہو سو بکو بیٹھے  
ایک دل تھا سو وہ بھی کو بیٹھے  
بیٹھو لو اسکی کچھ کو بیٹھے  
شمع کی طرح ہم ہیں گو بیٹھے  
ایک عالم کو ہم ڈبو بیٹھے  
اے دل و دیدہ تم مرو بیٹھے  
یاد دے کیا کرو بیٹھے  
شمع سان پانوں گا جو بیٹھے  
آن کے آن ٹک رہو بیٹھے

## مربیاری

وارواتِ حالیہ

ہمسفر وادی ہستی میں وہ دلبر ہوا  
ہجر کا خوف کبھی اور کبھی ہجر کا رنج  
تیر جو آئے فلک سے ہدفِ انہا میں تھا  
درد اٹھا اٹھکے میرے دل میں پھر پھٹا  
یہ تماشا ہے جہاں خواب میں مانتا ہوں  
کس سے کہئے دل شیدا گلہ تنہائی  
نازیجا تو اٹھایا ہی یہ مرنے والے  
تیرے جانے پہ گمان برہمی دہر کا ہوتا  
دل کو کیوں موردِ احساس بنایا باز  
حیف اس خون کی قسمت جو مروت سے  
گر قصایا ہے جہاں قابلِ تغیر نہیں  
دل میں بیٹھا ہو کوئی اس سے تسلی تو نہیں  
قہر آلود نظریں، نگہ لطف بھی تھی  
شمع اس راہ میں اسکا رخ نور ہوا  
چلن گاہے دل مضطر کو میسر ہوا  
ظلم کہئے نہ کبھی اسکو جو مجھ پر ہوا  
کیون رگِ دل کی جگہ سینہ میں نشتر ہوا  
پر یہ کیوں خواب میرے واسطے شب بھر ہوا  
مسند آرا میرے پہلو میں جو لب ہوا  
میں ترے ناز بجا کا کبھی خوگر ہوا  
تو گیا اور بپا دہر میں محشر ہوا  
حسرت اسکی ہر کہ یہ دل ہوا پتھر ہوا  
قطرہ اشک ہوا، بادہ اُجمہر ہوا  
کیون نہ کہئے کہ مرے واسطے داوہر ہوا  
پردہ دل میں جو ہی بر سرِ منظر ہوا  
لطف فرمانہ رہا جب وہ شکر ہوا

باعثِ رنج ہے امید کا پید ہونا

یارِ باسِ خرمین امید میں اخلگر ہونا

غمزدہ

سیمان



## مطبوعہ عالیہ

علم المعیشت، سال روان کی زندہ کتابوں میں، پروفیسر محمد الیاس برنی کی علم المعیشت مصنف نے پولیٹکل اکادمی کا ترجمہ علم المعیشت کیا ہے، ہندوستان میں سب سے پہلے اس علم پر غالب ۱۸۹۴ء میں دلی کالج کے ایک ہندو ماسٹر نے ایک کتاب لکھی تھی، پھر ہی کتاب کی قدر تکمیل کے بعد سائنٹفک سوسائٹی علیگڑھ کی طرف سے شائع ہوئی، اس وقت اس علم کا نام ”ہتھام مدن“ قرار پایا اس کے بعد چند سال ہوئے، سیوکا لچ اجیر کے ایک مسلمان پروفیسر نے ایک انگریزی کتاب کا کفایت شامی کا نام سے خلاصہ کیا ڈاکٹر اقبال نے مصر کی تعلیم میں اس کو علم الاقتصاد کے نام سے ملک میں روشناس کیا، اب علم المعیشت کی اصطلاح ہمارے سامنے ہے، کتاب ۶۰ صفحہ پر تمام ہوئی ہے، نہایت تحقیق اور کاوش اور مجتہدانہ لکھی گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ ہندوستان میں نامانوس فن کی حیثیت سے اس کو پیش کیا جائے اسی بنا پر اکثر حسب ضرورت یورپ و امریکہ کی بجائے ہندوستان کے موجودہ مسائل کا حوالہ دیا گیا ہے، عبارت سلیس اور روان ہے، تمام مباحث متعلقہ پر کافی بحث و شرح ہے، اسی قسم کی کتابیں اردو کے سرمایہ علم میں اضافہ کر سکتی ہیں، طبع اعلیٰ، کاغذ متوسط، مجلد، مطلقاً، قیمت یہ ہے، پتہ، انسٹیٹیوٹ گریڈ علیگڑھ تعزیت نامہ، ہر ممتاز شخص کی علیحدہ لائف لکھنا مشکل ہے، مصر میں مفتی عبیدہ کی مستقل لائف نہیں لکھی گئی، ان کے شاگرد رشید، سید رشید رضا نے اخبارات، خطوط، مراسلتی، اور تعزیتی تحریروں کا مجموعہ شائع کر دیا کہ اس تو وہ میں مرحوم کے حالات ہر شخص کو منتشر مل سکتے ہیں، اسی اصول پر شیخ محمد احسان الہی پراپرٹر عصر جدید میرٹھ نے مغفور خواجہ غلام الثقلین کی وفات اخبارات، اکابر ملک، اور قومی مجلسوں نے جو کچھ لکھا تھا، انکو تعزیت نامہ کے نام سے یکجا کر دیا ہے، خواجہ صاحب کے قوم پر بڑے احسانات ہیں، انکا دماغ اس وقت بھی متین، سنجیدہ

ساکن اور برج اتھا، جب تمام ہندو اسلامی سیما ب یابرق پارہ تھا، شیخ صاحب کا ممنون ہونا چاہیے، سچے خادم کی خدمتگزاری کا کم از کم ایک فرض انھوں نے ادا کیا، ضخامت ۲۸ صفحہ، قیمت قسم اول، ۱۰۰، قسم دوم، ۵۰، پتہ: عصر جدید، میرٹھ،

خدمت اصفا: نواب حاجی محمد اسماعیل خان صاحب کا نام محتاج تعارف نہیں، سروسٹ انکی ایک نئی اور مفید تجویز یہ ہے کہ مختلف ہفتہ وار روزانہ اردو اخبارات میں جو علمی، ادبی، اقتصادی اور صنعتی مضامین شائع ہوتے ہیں، انکو وقتاً فوقتاً بخیال تحفظ رسالوں کی صورت میں جمع کر دیا تاکہ یہ خواہر ریزی اپنے کیسے پارینہ کے ساتھ ضائع نہ ہونے پائیں،

حاجی صاحب نے تجویز کے ساتھ ہی عملاً بھی اس کام میں حصہ لیا اور مختلف اخبارات میں مضامین لیکر خدمت اصفا کے نام سے ایک کتاب کی صورت میں ترتیب دیکر شائع کیا ہے، انتخاب براہین، زیادہ تر اخبار و کیل کے مضامین ہیں، اردو ہی خصوصیت کے ساتھ پڑھنے کے لائق ہیں، حجم ۶۰ صفحہ، طبع و کاغذ متوسط، قیمت نامعلوم، پتہ: دفتر سالہ افادہ، اگرہ،

خطبات غریبہ، خواجہ کمال الدین صاحب کے چار اردو لکچرون کا مجموعہ، عنوانات حسب ذیل ہیں،

(۱) میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی، (۲) خدا کی کامل تصویر، (۳) اسلام بے تشکیک، (۴) الہام ایک فیض ربوبیت ہے، تقطیع چھوٹی، صفحات ۳۶ قیمت ۵ روپے، پتہ: عزیز منزل احمدیہ بلڈنگس نو لکھا، لاہور،

فتاویٰ شریفی و مجموعہ ہائے علم فرائض، ہندوستان کے گذشتہ علمائے شاہیر جن فقیہ علی مخدوم ہاشمی کا نام نہایت روشن ہے، انکی تفسیر عربی ارباب باطن میں نہایت مقبول ہے، شکر ہے کہ انکا خاندان مقطوع، اور اس سے علم مفقود نہیں ہوا، انکے پوتے مولوی



حافظ میر فضل اللہ صاحب نے علم فرائض کے تمام مسائل و متعلقات کو پانچ رسالوں میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ اردو زبان میں تحریر کیا ہے، جس سے مصنف کی اس علم پر بڑی بالغ نظری اور مہارت تامہ ظاہر ہوتی ہے، متعدد نقضون اور جداولوں کے ذریعہ سے ذوی الارحام کے حصوں کی تفصیل کی ہے، ترتیب اور طرز تحریر قافیہ ہے، وکالت پیشہ حضرات کے لئے نہایت مفید ہوگا، مولوی میر عبدلرزاق وکیل درجہ اول حیدرآباد سے اسکے لئے مکاتبت کیجئے، شرح دیوان غالب، تمام شعراء اردو میں صرف مرزا غالب کو یہ فخر حاصل ہے کہ لوگوں نے انکے اردو دیوان کی شرحیں لکھیں، احاطہ، مطالب اور شرح معانی میں مولانا طباطبائی کی شرح گو سب سے بہتر ہے، لیکن اختصار، اجمال، اور صحت بیان میں مولوی حسرت موہانی کی شرح بھی اچھی ہے، یہ شرح اب چوتھی دفعہ شائع ہوئی ہے، آخرین بعض غیر مطبوعہ کلام بھی شامل کر قیمت ۵۰ روپے دفتر اردو سے معالیٰ علی گڑھ،

رویت ہلال، پہلوانی کے سجادہ نشین خاندان کوہندوستان کی اکثر صدیقی خاندان پر ایک مزیت یہ حاصل ہے کہ بیان علم و عمل، ظاہر و باطن، شرع و طریقت، پہلو بہ پہلو اور ہمہ گوشہ صدیقی ہونیکے ساتھ علوم ظاہری میں تبحر و کمال بھی بیان ایک جزر ضروری ہے، رویت ہلال کا مسئلہ فقہاء میں مختلف فیہ ہے کہ آیا ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کیلئے معتبر ہو سکتی ہے یا نہیں؟ حضرت شاہ بدرالدین صاحب دامت فوضہ العلیا سجادہ نشین پہلوانی نے اس مسئلہ پر احادیث و روایات فقہ کی بنا پر محقق بحث کی ہے، موضوع، علماء کے التفات کے لائق ہے ہم بھی اس فرض کے ادا کر نیکی کوشش کریں گے، شعبان کا مہر اسکے لئے خاص طور پر موزون ہوگا۔

دفتر معارف پہلوانی ضلع پیٹنہ سے طلب کیجئے،

## مضامین

- ۱۔ شذرات
- ۲۔ ناشرین اردو سے خطاب
- ۳۔ ارض القرآن
- ۴۔ تصورات کلیہ
- ۵۔ فنون لطیفہ
- ۶۔ تربیت و تسلیم
- ۷۔ مسائل و فتاویٰ
- ۸۔ ادبیات
- ۹۔ مطبوعات جدیدہ

رموز فطرت، علوم جدیدہ کی متعدد شاخوں پر ابتدائی مسائل کا مجموعہ عبارت سلیس و معلومات عام فہم عربی خوان اور نیز اردو دان اصحاب کے لیے معلومات کا سرمایہ قیمت ۵۰ علم الانسان، انسانی سیاحت، اور انسان کے لیے اعضاء کے منافع و فوائد کے بیان میں ایک عمدہ رسالہ قیمت ۸۰ روپے

نئیچر دار المصنفین

اعظم گڑھ